خودنوشت سوانح حیات
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان مدنی شہید
فانی زندگی کے چند ایام
بہ اہتمام و نگرانی
مولانا عبدالقیوم حقانی
القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوہریرہ
برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

خودنوشت سوانح حیات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان مدنی شہیدؒ

فانی زندگی کے چند ایام

بہ اہتمام ونگرانی !

مولانا عبدالقیوم حقانی

القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

Ph:0923-630237--Mob:0333-9102770

نامِ کتاب : **فانی زندگی کے چند ایام**

(خودنوشت سوانح حیات، شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ)

بہ اہتمام ونگرانی : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 154 صفحات

کمپوزنگ : جان محمد جان رُکن القاسم اکیڈمی

تعداد : 1000

سنِ طباعت اوّل : صفر المظفر ۱۴۲۹ھ / مارچ ۲۰۰۸ء

ناشر : القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے

- ☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی
- ☆ مولانا سید محمد حقانی ' مدرس جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ
- ☆ مکتبہ رشیدیہ سردار پلازہ جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ ' راجہ بازار ' راولپنڈی
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید ' ۱۰ الکریم مارکیٹ ' اردو بازار ' لاہور
- ☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی صاحب، جامعہ ابوہریرہ، چنوں موم ضلع سیالکوٹ

اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے
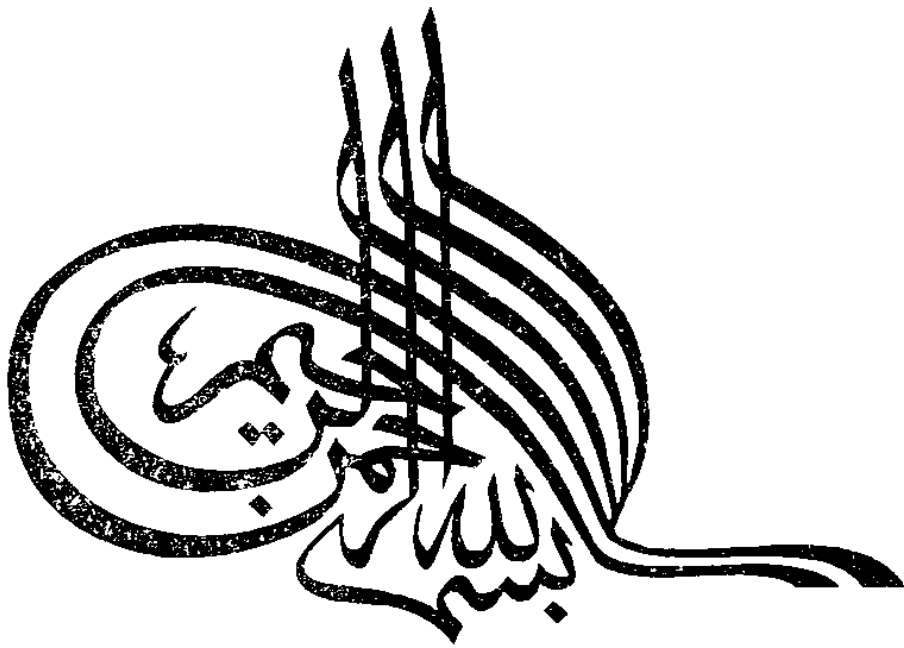
چار سُو ظلمت کا سایہ سانحہ ایسا ہے یہ

رثائیہ اشعار بشہادت شیخ التفسیر والحدیث، مؤرخ اسلام، ادیب بے بدل، خطیب بے مثال، صدر الافاضل، فخر الاماثل، آیۃ من آیات الرحمٰن العلاّمہ الحافظ

محمد حسن جان المدنی الشهید نور الله مرقدهٗ و برد الله مضجعه

نالہ ریز ! حافظ محمد ابراہیم فانؔی یکے از خدام حضرت الشیخ شہید

مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ

محشر اکبر ہے بپا سانحہ ایسا ہے یہ
ہر طرف ہے شورِ گریہ سانحہ ایسا ہے یہ

تیرے قتلِ ناگہاں پر میرے اُستاذِ جلیل
لٹ چکی یہ علمی دنیا سانحہ ایسا ہے یہ

عظمتِ اسلاف کی زندہ نشانی چھن گئی
اب ہے زیرِ گور اللہ سانحہ ایسا ہے یہ

جاری وساری رواں ہر آنکھ سے اے جانِ من
آنسوؤں کا ایک دریا سانحہ ایسا ہے یہ

نیّر و تاباں ہوا ہے اب پسِ آفاق گم
چار سُو ظلمت کا سایہ سانحہ ایسا ہے یہ

ملّت بیضاء کا گویا حدی خواں و غمگسار
کون ہوگا اے خدایا سانحہ ایسا ہے یہ

غرقِ دریائے الم ہے آج ہر پیر و جواں
ہوگیا خونِ تمنا سانحہ ایسا ہے یہ

شیخ قرآنِ معظم مطلقاً شیخ الحدیث
ہے کہاں وہ درِّ یکتا سانحہ ایسا ہے یہ

مشہدِ اعظم بپا شد درمہِ پاکِ صیام
یا الٰہ العالمینا سانحہ ایسا ہے یہ

خرمنِ دل پر گرا ہے برقِ خاطف یا خدا
ہے جہاں تاریک و تیرہ سانحہ ایسا ہے یہ

ایک عالم کو یوں ویراں اور روتا چھوڑ کر
چل دئے وہ سوئے عقبیٰ سانحہ ایسا ہے یہ

جن کے ہاں ملتی تھی فانؔی وہ دوائے دردِ دل
اب نہیں ہے وہ مسیحا سانحہ ایسا ہے یہ

فہرستِ عناوین

پیش لفظ

مولانا عبدالقیوم حقانی

الحمد لحضرة الجلالة والصلوٰة والسلام علیٰ خاتم الرسالة .

فروغِ شمع تو باقی رہے گا صبحِ محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

جس محفل سے شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ جیسے پروانے اُٹھ جائیں، وہ محفل جمے یا اُجڑے کسی کو اس سے کیا غرض؟ شمع جلے یا بجھے کسی کو اس سے کیا واسطہ؟ چمن میں بہار اُترے یا خزاں برسے کسی کو کیا تعلق؟ گلستان میں ہُما رہے یا بوم بسے کسی کو اس سے کیا دلچسپی؟ جب جانِ محفل نہ رہا تو ہنگامۂ محفل چہ معنی؟ جب فروغِ شمع نہ رہا تو شمع کی لو سے کیا حاصل؟ جب خوشبوئے چمن اُڑ گئی تو سوکھے پھول پتوں کا کیا فائدہ؟ جب رنگِ گلستاں نہ رہا تو خالی گل بوٹے کس کام کے؟ شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ ایک شخص نہیں، گلشنِ وطن کا ایک مہکتا گلاب تھا، جس کی خوشبو نے وطن کے بام و در کو مہکا رکھا تھا، شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ ایک فرد نہیں اُفقِ پاکستان کا ایک آفتاب تھا جس کی عالمتاب کرنوں نے پورے ملک کو چمکا رکھا تھا، شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ

جس کی عالمتاب کرنوں نے پورے ملک کو چمکا رکھا تھا، شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ جیسے لوگ نہ تو آئے دن پیدا ہوتے ہیں اور نہ ہی قدرت روز روز کسی کو منظرِ پر عام لاتی ہے۔ یہ لوگ خاص ماؤں کی کوکھ سے جنم لیتے، خاص آغوشوں میں پلتے، خاص بانہوں میں جھولتے، خاص ہاتھوں میں پرورش پاتے، خاص کندھوں پر کھیلتے، خاص نظروں میں رہتے، خاص وقتوں کے لئے تربیت دیئے جاتے اور خاص آدرشوں کی تکمیل کے لئے کسی قوم میں اُبھارے جاتے ہیں۔ یہ لوگ سستے اور سہل نہیں ہوتے، ان کے لئے ملک کو برسوں گردش کرنی پڑتی ہے، آسمان خاک چھان کر انہیں ڈھونڈھتا ہے، ان موتیوں کے لئے صدف کو برسوں گہرے سمندروں میں مراقبہ کرنا پڑتا ہے، ان دیدہ وروں کے لئے نرگس کو بہت آنسو بہانے پڑتے ہیں، یہ افراد زمین کا نمک ہوتے ہیں، یہ لاکھوں دعاؤں کا ثمر، ہزاروں آہوں کا اثر اور سینکڑوں ذہنوں کا عطر ہوتے ہیں، ان کی فکر سے دماغ جلا پاتے، ان کے حسنِ عمل سے معاشرے اپنا اعتبار بڑھاتے اور ان کے وجود سے ملک اچھا نام کماتے ہیں' مگر یہ کیا کہ ایک ساعت میں ملک کی عظمت مٹی میں رول دی گئی، ایک لمحے میں وطن کے اثاثے کو لٹا دیا گیا، ایک آن میں محفل کی جان نکال لی گئی، اور ایک شوخی میں دھرتی کی آبرو کھو دی گئی۔

☆☆☆

پشاور جو کبھی امن وامان اور سکون وراحت کا شہر تھا، تاریکیوں کی لہریں بدلتا جا رہا ہے، پشاور جو دینی' علمی' جہادی' تبلیغی اور روحانی ومذہبی بہاروں کا دیس تھا، اب چڑیلوں کی بستی بنتا جا رہا ہے، جو پرائے بھی نگل رہی ہیں اور حق ہمسائے بھی کھا رہی ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ کے قتلِ ناحق پر یوں تاثر اُبھرتا ہے کہ گویا سرزمینِ وطن اہلِ خیر سے اُکتا چکی ہے، اس کا دامن غنڈوں' ٹھگوں' لفنگوں' لوفروں' ہتھ

چھٹوں، دم کٹوں، سمگلروں اور لٹیروں کے لئے تو وسیع اور علماءِ حق، مشائخِ عظام، شریفوں، دانشوروں، امن کے سفیروں، پڑھے لکھوں، داناؤں، دردمندوں، فداکاروں، معماروں، تیمارداروں، رضاکاروں، وفاداروں اور جانثاروں کے لئے تنگ ہوتا جارہا ہے۔ آخر شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ کا قصور کیا تھا؟ صرف یہ کہ وہ طلباء کو احادیث پڑھا رہے تھے، ملک وقوم اور ملت کو علماء، فضلاء، مدرسین، محققین، مصنفین، مجاہدین اور مبلغین دے رہے تھے، ملک کے اصل ناسور کی نشاندہی کرتے رہتے تھے، اور فقط یہ کہ وہ لٹیروں کو سیاسی پناہ دینے کے خلاف تھے۔

آخر ان کی خطا کیا تھی؟ بس یہ کہ قدرت نے ان کو غیر متنازعہ شخصیت، بے پناہ عزت، بین الاقوامی شہرت اور درد کی دولت عطا کر رکھی تھی، ان کو تو خیر شہادت نصیب ہوگئی، قاتلوں کو بجزِ ندامت کے کیا ہاتھ آئے گا؟

……………☆☆☆……………

شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ واقعہ یہ ہے کہ ملک کے چند نامور افراد میں شامل تھے، جنہیں لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ، ڈاکٹر قدیر خان اور مولانا مفتی احمد الرحمٰن، مولانا مفتی نظام الدین شامزئی، شیخ الحدیث مولانا زرولی خان جیسے لوگوں کی صف کے آدمی، یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے اور تو اور صدر اور وزیراعظم جیسے مقتدر بھی بہت چھوٹے لگتے ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ سفید براق لباس پہنتے تھے، کسی نے ان کے دامن پر حسد، حرص، انتقام اور ہوس کا داغ نہیں دیکھا، وہ بہت اونچے قد کے آدمی تھی، کبھی چھوٹی اور سطحی بات نہیں کی، وہ عابد، زاہد، مدرس اور شفیق تھے، کبھی کسی حکمران کے باجگزار نہیں رہے، وہ شب زندہ دار تھے، کسی کے دربار دار نہیں رہے۔

اہلِ وطن کو اپنی خیر منانی چاہئے کہ کہیں قدرت اس قوم پر غضب کا کوڑا برسانے والی تو نہیں کہ وہ اپنے پیاروں کو پہلے اپنے پاس بلالینا چاہتی ہے۔

قتل ہونے اور سولی چڑھنے اور پھانسی پانے اور اُلٹے لٹکنے کے لائق تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ملک کا کھربوں روپے کا سرمایہ باہر کے بنکوں میں جمع کرار کھا ہے، جنہوں نے ڈھائی کھرب روپے بنکوں کے قرضے دبار کھے ہیں، جن کے پیٹ کی بھوک اس قدر بڑھ چکی ہے کہ اب قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی چیز ان کی ہوس نہیں مٹا سکتی، اور جن کی پیاس اس قدر بے قابو ہو چکی ہے کہ وہ بے گناہوں کے خون کے علاوہ بجھنے میں نہیں آرہی، جن کا لیڈری کو جنون کناروں سے اس طرح اُچھلنے لگا ہے کہ وہ ہر قد آور کو راستے سے ہٹا دینا چاہتے ہیں، جن کی جھوٹی انا اس قدر فربہ ہو چکی ہے کہ وہ ہر سچی ادا کو مٹا دینا چاہتے ہیں، مساجد کو بلڈوز کردینے، طلبا اور طالبات پر آگ برساتے، بم برسانے، قرآنِ پاک جلانے اور نالے میں پھینک دینے میں انہیں کوئی باک نہیں۔ یہ غاصب، یہ نادہندے، یہ بھوکے، یہ پیاسے، یہ سیاسی مہاشے اور یہ جھوٹے آخر کس کام کے ہیں کہ دھرتی ان کا بوجھ اُٹھائے پھرے اور اپنے دامن میں بسائے رہے؟

☆☆☆

شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ نے اس دھرتی کا رزق آخر کتنا کھایا ہے؟ ایسے بندے کا دانہ پانی کیوں اُٹھالیا گیا؟ شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ نے اس ملک کو مدارس دیئے، علماء دیئے، مجاہدین دیئے، وہ بیدردی کے قتل کے مستحق کیوں ٹھہرے؟ انہوں نے ربع صدی احادیث کی خدمت کی، وہ کرائے کے قاتلوں کا نشانہ کیوں بنے؟ کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا اور خود انتقام کی زد میں کیوں آئے؟ انہوں نے عمر بھر فروغِ علم اور درسِ حدیث کی صورت میں روحانی بیماروں کے لئے دوا دارو کی گولیاں تقسیم کیں، وہ بارود کی گولی کا لقمہ کیوں بنے؟ وہ عمر بھر محبت بانٹتے رہے، وہ اس شقاوت کی لپیٹ میں کیوں آگئے؟ یہ

حادثہ، المیہ اور یہ سانحہ اہلِ سیاست اور اہلِ حکومت دونوں کے لئے لمحۂ فکر یہ ہے کہ وہ کب تک سیاست کو منافقت اور حکومت کو مصلحت کا اسیر بنائے رکھیں گے؟

کیا سیاست اس کا نام ہے کہ صداقت کو قتل کر دیا جائے؟ کیا قیادت اسے کہتے ہیں کہ دیانت کو مٹا دیا جائے؟ کیا سیادت یہی ہے کہ دانش وحکمت کو موت دے دی جائے؟ کیا حکومت کا یہی مطلب ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے شرافت کا خون بہا دیا جائے؟ آخر یہ رنگ ڈھنگ کب تک رہے گا؟

ملک کی معاشی حالت پہلے ہی پتلی ہے، وفاق کی صورت پہلے ہی بگڑی ہوئی ہے، سیاست پہلے ہی شامت بنی ہوئی ہے، معاشرت پہلے ہی نراجیت کا نقشہ پیش کر رہی ہے اور نظم ونسق کی حالت پہلے ہی علیل ومقیم ہے، لے دے کر چند نیک نام اور عزت دار، مخلص علماء ومشائخ، دانشور اور ملک کے وفادار لوگ رہ گئے، اب سیاسی عفریت ان کے بھی پیچھے پڑ گئے ہیں، یہ لوگ بھی نہ رہے تو ملک کی جھولی میں باقی کیا بچے گا؟ چند بونے، چند مغبچے، چند طبلچے، چند گوئیے، چند مالشئیے اور چند بالشتیے، ان کے زور پر ملک کتنا چل سکے گا؟

☆☆☆

بہرحال وقت جوں جوں بڑھتا جا رہا ہے اچھے انسان توں توں گھٹتے جا رہے ہیں، جگر مراد آبادی برسوں پہلے مرثیہ کہہ چکے ہیں : گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

نسلِ انسانی کی تعداد بڑھنے سے محفل ہستی کا اعتبار نہیں، اصل مسئلہ علمی وروحانی استعداد ہے، یہ نہ رہے تو ہجوم بھی بے رونقی اور تنہائی کا ازالہ نہیں کر پاتا۔ بلاشبہ آج کتب خانے بہت ہیں مگر کتابوں کے دیوانے کتنے ہیں؟ پریشان کن سوال یہ ہے، مدرسہ وخانقاہ جینے کا قرینہ نہیں سکھاتے، کامل مدرس اور صاحبِ نگاہ آدابِ زندگی سے آشنا کرتے ہیں، نہ جانے کیسی ہوا چل پڑی ہے کہ بزمِ سیاست سیاسی کارکنوں کے بجائے سیاسی لقوں سے

آباد ہے، تدریس کی مسند ایک بار خالی ہوتی ہے تو برسوں پُر نہیں ہوتی، خانقاہیں بھی ایسے نشیمن بن گئی ہیں، جہاں عقابوں کے بجائے زاغوں کا بسیرا ہے، مکتب و مدرسے تو آئے روز کھل رہے ہیں لیکن فکر و آگہی اور علم و فن کے کواڑ ایک ایک کر کے بند ہو رہے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ کی صورت میں ایک ایسا عالمِ دین علماء سے اُٹھایا گیا ہے، جس کی جگہ سنبھالنے والا نہ تو اس وقت نظر آرہا ہے اور نہ حالات کے تیور دیکھ کر اُمید بندھتی ہے کہ یہ خلاء جلد پُر ہوگا، اس لئے کہ علماء میں بھی اب زیادہ تر ''علامہ'' ''مناظرِ اسلام''، ''مبلغ یورپ''، ''خطیبِ پاکستان'' اور ''مقرر شعلہ بیان'' قسم کے لوگ ہی رہ گئے ہیں یا پیدا ہو رہے ہیں۔ ان میں ''علامہ'' بھی ایسے ایسے ہیں کہ ''بقلمِ خود'' اپنے نام کے ساتھ یہ لقب درج فرماتے ہیں۔ ''مناظرِ اسلام'' ایسے ہیں کہ مسلمانوں کو آنکھیں دکھاتے ہیں۔ ''مبلغ یورپ'' اس پائے کے ہیں کہ یورپ کے انگریزی ہجے لکھنے پر قادر نہیں، ''خطیب پاکستان'' اس طرح بنے ہیں کہ خطبہ جمعہ کے لئے جگہ نہیں ملتی تو پورے پاکستان کی خطابت سنبھال لیتے ہیں اور ''مقرر شعلہ بیان'' کا مفہوم تو لقب سے واضح ہے کہ ایسی شعلہ بیانی سے کام لیتے ہیں کہ عقل و شعور کی رہی سہی چنگاری بھی بجھا کر دم لیتے ہیں۔

☆☆☆

آج ہم جس شیخؒ کی جدائی کی دہائی دینے والے ہیں، ان کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ حدیث اور اسماء رجال جیسا مشکل فن ان کے ہاتھ میں پانی بن جاتا تھا، دو چار برس نہیں پوری نصف صدی مسند تدریس پر بسر کی، سینکڑوں علماء کے استاد ہونے کے باوجود انداز عمر بھر طالبعلمانہ رکھا۔ اُمت مسلمہ خاص کر عرب و عجم میں ان کی علمی و دینی حلقوں میں ان کی شہرت بوئے گل کی طرح پھیلی ہوئی تھی مگر وہ زندگی بھر صرف مدرس اور صرف مبلغ ہی بن کر رہے، ان کی تدریس کے ڈنکے بجتے رہے لیکن وہ ہمیشہ تشہیر سے بچتے رہے، یہ شیخ

تھے استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ۔

شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہیدؒ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر اور جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی رہنما رہے لیکن کسی عہدے کو اپنے لئے شہرت اور منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا، چارسدہ سے ولی خان کے مقابلہ میں جمعیۃ علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑا' کامیاب ہوگئے مگر اسمبلی' سیاست اور اقتدار کا مزاج نہ تھا' اسمبلی میں پہنچ کر ہمیشہ درس و تدریس اور علمی خدمات کے لئے بے تاب رہے اور علماء کے لئے اسی کو اوّلین ترجیح قرار دیتے رہے۔ انہیں عمر بھر اس کی فکر رہی کہ سنجیدہ و متین علماء اور مدرسین کم ہوتے جا رہے ہیں، اور معیارِ تعلیم و تدریس گرتا جا رہا ہے۔ دارالعلوم حقانیہ میں زمانۂ تدریس کے دو سالہ دور میں مولانا فضل الرحمٰن امیر جمعیت علمائے اسلام' مولانا مفتی غلام الرحمٰن بانی و مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور' مولانا محمد ابراہیم فانی مدرسِ اعلیٰ جامعہ حقانیہ' مولانا شاہجہان' مولانا محمد انور ناظم جامعہ حلیمیہ پیزو اور احقر کو بھی ان سے شرفِ تلمذ کی سعادت حاصل رہی۔

ضلع چارسدہ کے چھوٹے سے گاؤں ''پڑانگ'' کا یہ نابغۂ روزگار اور عالم خوش کردار تقریباً 68 برس کی عمر میں اس حال میں دنیا سے رخصت کر دیئے گئے کہ ایک بڑے علمی و تدریسی حلقے کو نڈھال اور پُر ملال کر گئے، دینی' علمی' تعلیمی' تدریسی حلقوں اور مدارس میں ایک ہلچل مچ گئی اور صفِ ماتم بچھ گئی، جنازے میں ایک ہجوم پشاور میں اُمڈ آیا، اور جنازہ تاریخی قرار پایا۔ سچ ہے جسے خدا اپنا بناتا ہے بندوں کے دل اس کی جانب پھیر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر نور سے بھرے اور ان کا حشر نور والوں کے ساتھ کرے۔ (آمین)

ماہنامہ القاسم ان کی شہادت پر خصوصی اشاعت کا اہتمام کر رہا ہے، آپ بھی اس تحریر کے مخاطب ہے' کاروانِ علم و قلم میں شرکت کی دعوت ہے۔

فوری طور پر حضرت شیخ الحدیثؒ کی خودنوشت سوانح حیات بہ عنوان ''فانی زندگی

کے چندایام'' نذرِ قارئین ہے۔ جو حضرتؒ کے ''حسینِ حیات'' ماہنامہ القاسم میں قسطوار چھپتی رہی۔ ہم نے اس کی اشاعت میں بھی اس لئے تاخیر کی کہ شاید حضرت کے شایانِ شان نمبر تیار کرسکیں، مگر ہم معذرت خواہ ہیں کہ خاطر خواہ اور حضرت کی عظمتِ شان کے شایانِ شان مضامین تاحال موصول نہ ہوسکے۔ القاسم کے خدام اس تگ ودو میں ہیں، شب وروز محنت جاری ہے کہ ہم بہتر، عمدہ، جامع، ہمہ جہتی اور ہمہ پہلو تحریروں سے مزین خصوصی اشاعت تیار کرسکیں۔

ہم اپنے مخدومزادگان مولانا محمود الحسن، مولانا عزیز الحسن، مولانا عابد الرحمٰن اور مولانا فخر الحسن کے ممنونِ احسان ہیں کہ انہوں نے ہمیں خصوصی اشاعت اور ''فانی زندگی کے چند ایام'' کی اشاعت کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ واجرهم على الله.

عبدالقیوم حقانی

۱۶/محرم الحرام ۱۴۲۹ھ/ ۲۶/جنوری ۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ والصلوۃ والسلام علیٰ سیدنا رسول اللّٰہ، نبینا و حبیبنا

محمد بن عبد اللّٰہ، و علی آلہ و صحبہ و من والاہ،

اما بعد: بعض شاگردانِ عزیز کے مطالبہ پر اور اپنے بچوں کے لئے ایک کہانی کی حیثیت سے بندہ محمد حسن جان اپنی

فانی زندگی کے چندایام

پر کچھ کلمات لکھنا چاہتا ہے، جو مندرجہ ذیل سطور کی شکل میں پیش خدمت ہیں۔ یہ اصطلاحی سوانح عمری نہیں، اس فقیر میں نہ قیادت، نہ سیاست اور نہ مشیخت ہے، لہٰذا یہ زندگی کے کارنامے نہیں بلکہ اپنے برخورداروں کے لئے بطورِ یادگار ایک قصہ ہے۔

نام ونسب :

محمد حسن جان ولد حضرة مولانا شیخ الحدیث علی اکبر جان ولد مولانا الحاج حافظ جمال الدین ولد مولانا خیر الدین ولد مولانا بختیار احمد ولد مولانا محمدحسن قریشی رحمہم اللّٰہ تعالیٰ۔

سلسلۂ نسب قریش خاندان سے تعلق رکھتا ہے، جو غالباً غزوات کے سلسلے میں پہلے قندھار آئے تھے، اور پھر وہاں سے لعل پورہ افغانستان میں رہائش پذیر ہو گئے تھے، جو موجودہ افغانستان کا سرحدی گاؤں ہے اور پھر وہاں سے جد امجد (دادا کے پردادے) مولانا محمد حسن قریشی چارسدہ آ کر آباد ہو گئے تھے، یہ ہمارے خاندان کے پہلے بزرگ ہیں جو چارسدہ آئے تھے، اور چارسدہ ہی کے مقبرہ میں مدفون اور آرام فرما ہیں۔ چارسدہ کا

مقبرہ پاک و ہند کا مشہور مقبرہ ہے جس کے لئے سلطان محمود غزنویؒ نے اپنے ایک جرنیل مجاہد کی وجہ سے تقریباً یہاں سولہ مربع میل زمین وقف کرائی تھی، جس میں بہت بڑے مشہور اولیاء کرام، علماء عظام، اور شعراء دفن ہیں، اسی مقبرے کا کافی حصہ سکولوں، کالجوں، اور کچھ لوگوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے، تحصیل بازار چارسدہ' دارالعلوم چارسدہ، عدالتیں اور کافی سرکاری آبادی اسی مقبرہ میں واقع ہے۔

تاریخ پیدائش :

یہ ناکارہ بروزِ پیر بوقت اشراق مورخہ ۲/ ذوالقعدہ/ ۱۳۵۶ھ مطابق ۳/ جنوری/ ۱۹۳۸ء محلّہ میاں کلے موضع پڑانگ تحصیل چارسدہ میں عالم وجود میں آیا، اور اُس وقت کے سامراجی نظام کے مطابق تھانہ پڑانگ میں میرا نام بروزِ جمعرات مورخہ ۵/ ذوالقعدہ/ ۱۳۵۶ھ مطابق ۶/ جنوری/ ۱۹۳۸ء رجسٹرڈ کیا گیا، سرکاری کاغذات میں پیدائش کی یہی آخری تاریخ چل رہی ہے۔

ابتدائے درس :

پانچ سال کی عمر میں اپنے چھوٹے تائے حضرت مولانا حافظ حکیم محمد اسماعیل مرحوم کے مطب میں، جس کے ساتھ اُس کا چھوٹا ادارہ بنام تعلیم القرآن بھی تھا، چھوٹا بازار یٰسین زئی پڑانگ میں قاعدہ بغدادی کے آغاز سے درس شروع ہوا، پھر تایا جی کی نگرانی میں اُن کے ساتھ مطب میں اور ادارہ تعلیم القرآن میں قرآن مجید ناظرہ اور پھر سکول کی ابتدائی کتابیں، اور فارسی کی کتابیں پڑھتا رہا۔ جب مطب پر بڑے تایا جی حضرت مولانا رحمان الدینؒ صاحب نقشبندی مرحوم ظہر کے بعد تشریف لاتے، تو اُن سے بھی فارسی کتابیں پڑھتا جو علوم مروّجہ کے ساتھ فن طب اور فارسی زبان کے بڑے ماہر تھے۔ حضرت والدم بزرگوار

سے صَرف اور پھر نحو کی کتابیں صبح کی نماز کے بعد پڑھتا رہا، اور وہ خود بعد میں دار العلوم اتمانزئی میں درس دینے کے لئے سائیکل پر تشریف لے جاتے تھے، اور ظہر کے بعد واپس آتے تھے، رات کو نماز مغرب کے بعد مجھے صرف میر (لالا کالا) یاد کراتے تھے، صرف میر کے تقریباً ۴۳ ابواب کے بعد مجھے ایساغوجی، علم منطق کا ابتدائی رسالہ بھی یاد کراتے رہے، ایساغوجی کے بعد میر ایساغوجی، بدیع المیزان، قطبی، سلم العلوم، تصورات، بھی پڑھائی اور یاد کرائی تھی جس پر قاضی مبارک کی پشتو تقریر، جو عمرزئی مولانا کی تقریر سے مشہور تھی بھی یاد کرائی تھی۔ اُس تقریر میں سلم العلوم اور قاضی مبارک کے مشکل مسائل، مثلاً جعل بسیط اور مؤلف آراء، اور ارسطو سے مختلف عبارات منقولہ قاضی مبارک کے ابتدائی مباحث میں، اور مفہوم وغیرہ کے مشکل مسائل کا حل ہوتا تھا، یاد کرنے میں سستی اور کمزوری پر والدم بزرگوار مرحوم خوب گوش مالی بھی کیا کرتے تھے۔ اُس وقت اُن پر جلال کا اثر غالب تھا، اور مجھے اس تادیب اور گوش مالی سے بڑا فائدہ ہوا۔

کافیہ بھی صبح کی نماز کے بعد اور شرح جامی کا معرّب تک کا حصہ، رات کو والدم بزرگوار سے پڑھا، کافیہ بھی بحث فعل تک یاد کراتے رہے ہیں۔ صبح چائے کے بعد اپنے بڑے تائے صاحب حضرت مولانا رحمان الدین صاحب مرحوم سے، کبھی اکیلا اور کبھی دوسرے ساتھیوں کے ساتھ فقہ اور اُصولِ فقہ کی کتابیں پڑھیں، اور دن کو فراغت کے بعد چھوٹے تائے صاحب کے پاس اُن کے مطب پر سکول اور بعض دوسرے مضامین پڑھتا رہتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت والدم بزرگوار نے پڑانگ کے لوئر مڈل سکول میں تیسری جماعت میں داخل کرایا، ۲۲/۲۳ دن تک جاتا رہا، ایک دن میں جارہا تھا اور والدم بزرگوار اپنی سائیکل پر دار العلوم اتمانزئی جارہے تھے، تو مجھے راستہ ہی سے واپس کرایا، اور فرمانے

لگے کہ بس سکول نہ جاؤ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ والد بزرگوار نے مجھے سکول جانے سے روک دینے کو، ایک خواب کی بنیاد پر کیا تھا جو آپ نے میرے بارے میں دیکھا تھا۔

انقلاب کے ہنگامے:

اُس زمانہ میں تقسیم ہند اور آزادی مل جانے کے بعد پاکستان بن جانے میں دو پارٹیاں پیش پیش تھیں۔ ''مسلم لیگ'' جس کی قیادت مسٹر محمد علی جناح اور نواب لیاقت علی خان، اور صوبہ سرحد سے سردار عبدالرب نشتر کر رہے تھے، جو پاکستان کے حامی اور داعی رہے، اور دوسری پارٹی کانگریس تھی، جس کی قیادت گاندھی اور جواہر لال نہرو اور صوبہ سرحد سے خان عبدالغفار خان اور اس کا بھائی ڈاکٹر عبدالجبار خان کر رہے تھے، صوبہ سرحد میں ان کی وجہ سے کانگریس کی اکثریت تھی، اور ان کے جلسوں میں لوگ زیادہ ہوتے تھے۔

ایک جگہ جب ایک پارٹی کا جلسہ ہوتا، تو کل اسی جگہ پر دوسری پارٹی کا جلسہ ہوا کرتا تھا، یہ میرے چشم دید واقعات ہیں، یہ کشمکش اور انقلابی حالت جگہ جگہ جاری رہیں، سرحد میں ہمارے علاقے سے جب یہ تحریک آزادی خدائی خدمت گار کے نام سے خان عبدالغفار خان کی سربراہی میں شروع ہوگئی، تو ابتداء میں ان کے ساتھ بہت سے علماء کرام اور دیندار طبقہ منسلک ہوگئے، مگر جب یہ تحریک کانگریس میں مدغم ہوگئی، اور خان عبدالغفار خان کی آراء میں ''گاندھی جی کی رفاقت کی بنا پر'' تبدیلیاں آگئیں اور نظریہ وحدت ادیان اور ہندوؤں کے مذہبی رسوم ورواج میں شرکت کی بنا پر ''علماء کرام اور مشائخ'' اس تحریک سے جدا ہوگئے۔ جن کی تصاویر گاندھی جی کے بیٹے کے انگریزی روزنامے ''دھلی'' سے شائع ہو چکی ہیں۔ مرحوم میاں صاحب احمد شاہ آف قاضی خیل نے مجھے خود سنایا کہ ''یہ جدائی سب سے پہلے دھلی کے اجلاس میں شروع ہوگئی'' جس میں وہ خود اور میاں عبداللہ شاہ آف قاضی خیل شریک تھے، مسلمانوں کی طرف سے نماز عصر کے لئے وقفہ کا مطالبہ ہوا،

ہندو نماز عصر کے لئے وقفہ نہیں دینا چاہتے تھے، اور عبدالغفار خان ہندوؤں کے ساتھ وقفہ نہ دینے میں مل گئے۔ چنانچہ اس اجلاس میں چار سو مسلمان مندوبین، مختلف اطراف کے واک آؤٹ کر کے اجلاس سے باہر آئے اور نفرو جدائی کا اعلان کر گئے۔

میاں احمد شاہ مرحوم آف قاضی خیل چارسدہ :

موصوف میرے والد صاحب کے خصوصی دوست رہے ہیں، عظیم فلسفی شاعر تھے، اور لندن سے بیرسٹر کی ڈگری حاصل کر چکے تھے اور اس کے ساتھ اسلامی علوم میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد کانگریس کا رویہ علماء کرام اور صوبہ سرحد کے بزرگوں کے ساتھ نامناسب رہا۔ بزرگان دین جن میں مثلاً الحاج محمد امین صاحبؒ آف ترنگزئی اور پیر آف مانکی شریف ابوالحسنات مرحوم نوشہرہ، اور دیگر آستانہ داروں کے خلاف اپنے جلسوں میں ڈرامے کراتے رہے، جن میں عوام کو یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ یہ سب انگریزوں کے ایجنٹ اور تنخواہ دار ہیں۔ اُن کا یہ نعرہ ہوتا تھا کہ ''پیر ملا خان'' سے لڑنا ہے۔ اور ''ملا اور ملونٹے'' جیسے ہتک آمیز الفاظ سے ان بزرگوں اور علماء کرام کو اپنی تقریروں میں یاد کیا کرتے تھے، یہ الفاظ عبدالغفار خان کی کتاب (جو اپنی زندگی کی سرگزشت میں لکھ چکا ہے) میں موجود ہیں، یہ کتاب ہندوستان میں چھپی ہے اور غالباً پاکستان میں خلاف قانون ہے۔ اس کتاب کے بعض حصے روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی نے قسط وار شائع کئے تھے۔

خان عبدالغفار خان اور اس کی تحریک :

اس میں کوئی شک نہیں کہ خان عبدالغفار خان مرحوم انگریزوں کے خلاف، تحریک آزادی میں کافی صعوبتیں اور قید و بند کے سخت مراحل سے گزرے ہیں، اور اُس کی جماعت کے لوگ بھی جیلوں سے دوچار ہوئے۔ انگریز جیسی عیار قوم کے خلاف اُٹھنا، جس

کی حکومت نصف دنیا پر محیط تھی، بہت بڑا جان لیوا کام اور آزمائشی مصیبت تھی، جس کو خان عبدالغفار خان اپنے انقلابی دوروں اور جلسوں میں برداشت کرتے رہے۔

(اتمانزئی) تحصیل چارسدہ کی عیدگاہ میں، جہاں پر آج کل دارالعلوم نعمانیہ آباد ہے، ایک بڑے اجتماع میں، جس میں علماء کرام بھی تھے، خان صاحب کو ''باچا خان'' کا لقب دیا گیا تھا، اور اُس کی دستار بندی کرائی گئی تھی، اور خدائی خدمت گار کی تحریک کے سربراہ مقرر ہوئے، شیخ الہندؒ متوفی (۱۹۲۰ء) اور اُن کے بعض شاگردان عزیز، علماء دیوبند سے بھی خان صاحب کا رابطہ رہا ہے۔ جو ایک مصلحت کی بنا پر، جس میں مسلمانوں کی بقاء اور عزت وناموس اور املاک اور ہندوستان کے اسلامی مدارس کی حفاظت پیش نظر تھی، ہندو مسلم اتحاد اور ہندوستانی قومیت اور وحدت کے نعرہ میں شریک تھے، مگر مہاتما گاندھی سے مل جانے کے بعد، اور تحریک خدائی خدمت گار کو اُس کی پارٹی کانگریس میں مدغم کرانے کے بعد، خان صاحب کے خیالات میں تبدیلی آ گئی۔ گاندھی جی ہندوؤں کے پنڈت اور مذہبی پیشوا تھے اور اپنی عملیات، منتر، ہپناٹزم، مسمریزم، سے اپنے وابستہ لوگوں کو متاثر کیا کرتے تھے وہ ہمیشہ ہندو چیلوں کے لباس میں اور ننگے سر رہتے تھے۔

میاں صاحب الحاج حسین شاہ مرحوم ساکن گڑھی حمید گل میاں سے میں نے خود سنا ہے، موصوف میرے والد صاحب کے خصوصی دوست اور متواضع دیندار رہ چکے ہیں کہ گاندھی جی جب چارسدہ کے جلسے میں آئے تھے تو مسلمان حسبِ عادت نعرۂ تکبیر لگاتے رہے، اس پر خان صاحب نے حاضرین کو سخت ڈانٹا کہ ''نعرۂ تکبیر کے بچو ! یہ نعرہ چھوڑ دو، گاندھی جی ناراض ہو رہے ہیں''۔ جب گاندھی جی چلے گئے تو خدائی خدمت گار کے جھنڈے سے نعرۂ تکبیر کے الفاظ ''اللہ اکبر'' مٹا دیئے گئے اور ''اللہ اکبر'' کی جگہ چرخی کا نشان لگا دیا گیا۔ اس قسم کے واقعات مذکورہ بالا کی بنا پر، علماء کرام، پیرانِ عظام، سنجیدہ

خوانین اور دیندار عوام ان سے متنفر ہو گئے اور اسلامی نظریہ اور پاکستان کے حامی ہو گئے۔ پاکستان بننے کی مخالفت کرتے ہوئے صوبہ سرحد کی کانگریس نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کیا اور عام علماء کرام اور بزرگانِ دین نے پاکستان کی حمایت میں ووٹ ڈال کر صوبہ سرحد کو پاکستان میں شامل کرایا۔ اگر علماء کرام اور بزرگان دین کی حمایت نہ ہوتی تو صوبہ سرحد کا پاکستان بن جانا مشکل تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ریفرنڈم کے سلسلے میں ہمارے گھر ''خان نثار محمد خان مرحوم آف بابا خیل پڑانگ'' اور میاں سردار باچا آف میاں کلے پڑانگ، پیر صاحب ابوالحسنات آف مانکی شریف کی ہدایت پر سب سے پہلے آئے تھے، اور انہوں نے میرے دونوں تایا صاحبان اور والد صاحب سے کہا کہ ہم سب سے پہلے آپ کے گھر سے شروع کرانا چاہتے ہیں۔

ملاّ کی تحقیق اور فرائض :

''ملا'' ترکی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے تعلیم یافتہ دنیا تو ملا ''تعلیم یافتہ'' کی محتاج ہے ہر کام خواہ صنعت ہو یا سیاست ہو معاشرت ہو یا حکومت وغیرہ ''ملا'' کی رہنمائی کے بغیر ادھورا اور ناقص ہے، مگر بعض لوگ اس لفظ کو عالم دین کے بارے میں بطور استہزاء اور ہتک کے استعمال کر کے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں، جن لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ سیاست اور حکومت چلانے میں مذہب اور علماء دین کو کائی کردار نہیں، وہ ملک اور حکومت اور معاشرے کو درندگی، حیوانیت، اور مادر پدر آزاد زندگی کی طرف دھکیل دینا چاہتے ہیں، ایک مسلمان بحیثیت مسلمان کبھی بھی عالم دین کی رہنمائی سے مستغنی نہیں ہوسکتا، البتہ وہ شخص جو اسلام کو ایک اختیاری بات اور غیر ضروری چیز سمجھے، یا اس کو صرف جنازہ اور نکاح تک محدود رکھنا چاہے (جیسا کہ آج کل عیسائیوں کا اپنے مذہب کے بارے میں یہی نظریہ ہے) وہ اسلام کی تعلیمات عقائد، اخلاق اور جامعیت سے واقف نہیں۔ پاک و ہند میں سب سے پہلے ''ملا'' نے تحریک آزادی شروع کی۔ شاہ عبدالعزیزؒ سے لے

کر ہندوستان کی آزدی تک انگریزوں کے مقابلہ میں ہزاروں علماء کرام نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے، جن کی تعداد سات ہزار سے لے کر چالیس ہزار تک تاریخ کے اوراق میں ثبت ہے، بحیرۂ روم کے پورٹ انڈمان جزیرہ میں علماء کرام ہی کئی سالوں تک جلا وطن، اور پابند سلاسل رہے ہیں۔

''ملا'' کا کام حکومت کی اصلاح اور معاشرے کو درندگی اور حیوانیت سے پاک کرانا اور ان کو پاک صاف ستھرے اخلاق، اور زندگی کے اچھے اطوار سے روشناس کرانا، اور دنیا اور مابعد الموت کے فتنوں اور حالات سے آگاہی دینا اور ہر مسلمان بلکہ ہر انسان و حیوان کا خیر خواہ ہونا اور مسلم معاشرے کو، قومیت، لسانی تعصبات، صوبائی نفرتوں سے دور رکھنا، جیسے اہم فرائض انجام دینا ہے، اگر اس قسم کے فرائض انجام دہی پر کوئی شخص، پارٹی یا حکومت عالمِ دین سے ناراض ہو تو اُسے اپنی ناعاقبت نااندیش فکر، عقل اور رویے پر، رونا اور افسوس کرنا چاہئے ....

آج تک نقش شریعت نہ مٹا پر نہ مٹا
مٹ گئے آپ جو تھے اس کو مٹانے والے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔آمین۔

چارسدہ کا محاصرہ :

مجھے یاد ہے کہ پاکستان بن جانے سے پہلے غالباً ۱۹۴۵ء میں چارسدہ کا محاصرہ ہوا تھا، اور انگریزی حکومت کی طرف سے کرفیو لگ گیا تھا، گھروں کے سامنے مسلح مرہٹہ فوجی پہرہ دیا کرتے تھے، کسی کو بھی گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی، انگریز کمانڈوز گھوڑوں پر چارسدہ کے اردگرد چکر لگایا کرتے تھے، جو میں نے خود دیکھے ہیں اور کئی روز تک یہ محا ٔرہ جاری ہا۔

بابڑے کا واقعہ :

ایک دن، جبکہ میری عمر گیارہ سال کے قریب تھی، اور پاکستان بننے کا ایک سال پورا ہونے کو تھا، صبح کے وقت اپنے گھر کے سامنے میدان میں ساتھیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، یہ ۱۲؍اگست ۱۹۴۸ء کی تاریخ تھی، ناگہانی طور پر سخت فائرنگ کی آواز ''جمع جماعت'' (جہاں اب دارالعلوم آباد ہے) کی طرف سے سنائی دی، ہم ساتھی کچھ ڈرے اور سہم گئے کہ یہ کیا ہوا؟ کچھ دیر کے بعد دوبارہ فائرنگ کی آواز آئی، بعد میں لوگوں سے سننے میں آیا کہ کانگریس والے ''جمع جماعت'' میں پاکستان کی مخالفت میں جلسہ کرنا چاہتے تھے کہ ''پاکستان آٹے کی ناک ہے جس کو ہم جلد توڑ دیں گے'' موضع بابڑہ کانگریس کا گڑھ تھا، حکومت نے جلسے پر پابندی لگائی تھی اور مسجد میں ایف سی کی نفری بٹھائی تھی، جو جلسہ کی اجازت نہیں دے رہے تھے، اس پر لوگ اشتعال میں آ گئے اور ایف سی والوں پر پتھر پھینکنے لگے، ایف سی والوں کی اطلاع دینے پر، اوپر حکام کی طرف سے لوگوں کو منتشر کرانے کے لئے ہوائی فائرنگ کا حکم ملا، جس سے صرف ایک شخص جان بحق ہوا تھا، جو سائیکل پر چارسدہ بازار جا رہا تھا۔ ہوائی فائرنگ پر لوگ زیادہ جوش میں آ گئے، کہ یہ ہمیں ڈرا رہے ہیں اور آگے بڑھنے کی کوشش شروع کی، پھر ایف سی والوں کی اطلاع پر اوپر سے حکم ملا، کہ ہجوم پر ایک فائرنگ کیجئے، دوبارہ فائرنگ سے، اُس وقت کے لوگوں کے بیان کے مطابق ستائیس یا اٹھائیس آدمی جان بحق ہو گئے تھے، اور ان سے زیادہ زخمی ہو گئے تھے، لوگ اپنے مردوں اور زخمیوں کے اُٹھانے میں لگ گئے، اور ہجوم منتشر ہوا۔ اس کے بعد کانگریس پارٹی خلاف قانون ہو گئی۔ پارٹی والے دب گئے، حکومت نے بھی ان کے ساتھ سختی شروع کی، خان صاحب عبدالغفار خان صوبہ بدر ہو کر پنجاب میں رہنے لگے، کافی عرصہ پارٹی گمنام رہی، ایوب خان کے زمانہ میں دوسرے نام سے پھر جاگ اُٹھی۔

گھر میں درس :

چونکہ ہماری مسجد ایک درسگاہ بھی تھی اس لئے میں نے اپنے والد بزرگوار مرحوم سے صرف ونحو کی جملہ کتابیں شرح جامی معرب تک، اور منطق کے ابتدائی رسالوں سے سلم العلوم تک اور ریاضی ''علم ہیئت'' تحریر اقلیدس، تصریح، شرح چغمینی، بیست و باب اور سبع شداد، خلاصۃ الحساب تک اور میراث میں سراجی صبح کی نماز کے بعد پڑھی ہیں، شرح عقائد اور خیالی بھی پڑھیں۔

بڑے تایا جی سے فقہ، ہدایہ اوّلین تک اور اُصولِ فقہ تلویح و توضیح تک بھی اور فارسی تحفۃ النصائح، گلستان بوستان، دیوان حافظ شیرازی اور مثنوی قصہ طوطی اور بازارگان تک اور علم طب میں قانونچہ اور تفسیر جلالین، مشکوۃ شریف اپنی مسجد میں کبھی اکیلا اور کبھی ساتھیوں کے ساتھ پڑھ چکا ہوں۔

پھر سولہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ سائیکل پر دارالعلوم نعمانیہ اتمان زئی جاتا رہا، تقریباً سوا سال، ماہ شوال ۱۳۷۲ھ سے ماہ ذوالحجہ ۱۳۷۳ھ تک، دارالعلوم نعمانیہ ہی میں، شرح جامی حصہ بحث اسم اور مختصر المعانی، مطول اور سلم العلوم کے تصدیقات کا حصہ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحبؒ صدر مدرس دارالعلوم نعمانیہ سے پڑھ چکا ہوں۔ میبذی اور صدرا کا ابتدائی حصہ حضرت مولانا محمد حسین صاحب مرحوم آف مرزا ڈھیر سے اور عربی ادب میں سبعہ معلقہ، مقاماتِ حریری تیس مقالے، اور دیوان حماسہ، دیوان متنبی اور علم عروض میں محیط الدائرہ حضرت مولانا محمد یوسف مرحوم سے پڑھا، جو ہمارے ننھیال کی طرف سے رشتہ دار، اور ہندوستان میں پڑھا چکے ہیں، انہوں نے علم عروض وقافیہ میں ایک پشتو ضابطہ بھی یاد کرایا تھا۔ ان اسباق میں میرے ہم سبقوں میں حضرت مولانا روح اللہ جان صاحب مہتمم دارالعلوم نعمانیہ اتمانزئی اور حضرت مولانا احمد علی جان مرحوم اور حضرت مولانا عبدالباری جان

مرحوم اور حضرت مولانا فیض اللہ مرحوم اتمان زئی والے احباب شریک تھے۔

محرم الحرام ۱۳۷۴ھ سے جب حضرت والدم بزرگوار مرحوم بطور مدرس فنون، دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ آئے تو میں بھی اُن کے ساتھ دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ جاتا رہا۔ یہاں پر میں نے ملاحسن، میرزاہد ملا جلال، مرزا قطبیہ اور قاضی مبارک بحث ''مفہوم'' تک اور ہدایہ اخرین حضرت مولانا عبدالوہابؒ آف کوٹ ترناب سے پڑھی ہیں' موصوف مولانا گونان گر، سوات کے مشہور منطقی عالم اور میرے نانا صاحب حضرت مولانا سید علی آف سورخٹکی چارسدہ، کے علم معقولات میں خصوصی شاگرد رہ چکے ہیں۔ تفسیر میں فوز الکبیر اور بیضاوی شریف حضرت مولانا شیخ الحدیث عبدالرحمٰن صاحبؒ آف مینہ صوابی اور کچھ حصہ مطول، صدرا اپنے والد صاحب سے اور کچھ حصہ جلالین اور صدرا کا مولانا کوہستان صاحب مرحوم (مولانا کریم شاہ صاحب) سے دوبارہ پڑھا۔ دیوان حماسہ کے کچھ بقیہ حصہ پڑھنے کے لئے حضرت مولانا حکیم عبدالجمیل صاحب دامت برکاتہم کی دوکان بازار چارسدہ پر جاتا رہا۔ موصوف اپنے مطب اور دوکان پر زیادہ مصروف رہتے تھے، اس لئے مجھے اُن سے چند دن، قصیدہ صعلوک، اور ایک دو قصیدوں سے زیادہ پڑھنے اور استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔ دارالعلوم نعمانیہ اتمان زئی میں تقریباً سوا سال اور دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ میں پونے دو سال پڑھا۔

کچھ دارالعلوم کے بارے میں :

دارالعلوم نعمانیہ کی بنیاد پاکستان بننے سے پہلے ۱۳۶۵ھ میں رکھی جا چکی تھی، پہلے یہ دارالعلوم اتمان زئی گاؤں کے محلہ چمرنگ آباد کی جامع مسجد میں شروع ہوا تھا، حضرت مولانا الحاج محمد اسرائیل صاحبؒ پہلے مہتمم رہے، جو فاضل دیوبند و ڈابھیل اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے خصوصی شاگرد اور جمعیۃ علماء اسلام صوبہ سرحد کے سرپرست اعلیٰ اور

پاکستان کے حامی رہ چکے ہیں، جبکہ جمعیت علماء اسلام کے جنرل سیکٹری حضرت مولانا مدرار اللہ مرحوم آف مردان تھے، پھر دارالعلوم موجودہ جگہ (جو پہلے سے اتمان زئی کی عیدگاہ تھی) منتقل ہوا، فنون اور معقولات اور علومِ ریاضی میں اس کی شہرت تھی، ہم نے اُس زمانے میں چھپروں اور درختوں کے سایہ میں پڑھا تھا، آج کل ایک عظیم اور وسیع میدان، عمدہ قسم کی بلڈنگ، نئی جامع مسجد اور دارالحدیث کی شکل میں آباد ہے، اللہ تعالیٰ مزید ترقی عنایت فرماوے۔ (آمین)

دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ بننے سے پہلے، مولانا اخی عبدالغفور صاحبؒ اور اُن کے خصوصی ساتھی حاجی پشم گل، حاجی رفیع اللہ چارسدہ کے محلہ منیر خان باغ میں سیرۃ النبی ﷺ کے نام پر ایک عظیم الشان اور تاریخی میلاد شریف کا انعقاد کیا کرتے تھے، جو دو راتیں مسلسل جاری رہتا اور دور دراز سے لوگ، مرد عورت، سننے کے لئے آتے تھے، جس کا منظر ایک جشن کا سماں ہوتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت مولانا شیخ الحدیث نصیر الدین صاحب غورغشتیؒ کو بلانے گئے تھے، تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ "اتنے اخراجات سے ایک دینی مدرسہ بھی چل سکتا ہے، اور یہ جشن بند کرو"۔ آپ کی ہدایت کی بنا پر مولانا اخی صاحب مرحوم اور اُن کے ساتھیوں نے جمعہ جماعت کی اس تاریخی مسجد میں غالباً ۱۳۷۰ھ میں دارالعلوم بنایا۔ پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا میاں عبدالحق نافع کا کا خیلؒ استاد دارالعلوم دیوبند یہاں پڑھاتے رہے، پھر آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کے شاگرد عزیز حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب آف مینہ صوابی بطور نائب شیخ الحدیث آئے جو اس سے پہلے میرٹھ شہر انڈیا، میں پڑھاتے تھے، اور اُس وقت سے دارالعلوم دورۂ حدیث شریف سے مشہور ہوا، پہلے مہتمم خود اخی صاحب مرحوم رہ چکے ہیں۔ اور آج کل پرانی مسجد کی جگہ نئی مسجد اور شاندار جامع مسجد کے لئے تیاری جاری اور ساری ہے۔ دارالعلوم خاصے بڑے احاطے میں واقع ہے۔ موجودہ دارالحدیث

اور ایک دو کمرے اس فقیر کے زمانہ ممبری میں، ممبر شپ کے فنڈ سے، تعمیر ہو چکے ہیں۔ دارالعلوم سے ماہوار رسالہ ''النصیحہ'' بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ اور دارالعلوم دینی علوم کے ساتھ ساتھ اسلامی سیاست اور جمعیۃ علماء اسلام کا مرکز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مزید ترقیات سے مالا مال رکھے۔ (آمین)

دورۂ حدیث شریف :

مورخہ ۱۶ رشوال ۱۳۷۵ھ کو جامعہ اشرفیہ لاہور، دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے جانا ہوا، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے ان کی تصنیفات، خصوصاً **عقائد الاسلام**، **القضاء والقدر**، **کلمۃ اللّٰہ فی حیاۃ روح اللّٰہ** کی مطالعہ کرنے کی بنا پر پہلے سے از حد محبت پیدا ہوگئی تھی، اور یہ شوق تھا کہ دورۂ حدیث کے لئے ان کے ہاں جامعہ اشرفیہ جاؤں گا، چنانچہ والد بزرگوار اور حضرت مولانا عبدالوہابؒ مجھے رخصت کرنے کے لئے پشاور تک آئے اور مجھے حضرت مولانا معاذ الرحمٰن آف مرزا ڈھیر (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے ساتھ ریل میں بٹھائے گئے جبکہ وہ خود فیصل آباد جا رہے تھے، وہاں پر اشاعۃ العلوم میں حضرت مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل مرحوم کے ہاں پڑھاتے تھے۔

لالاموسیٰ تک اکٹھے گئے اور پھر آگے میں اتمان کے علماء کے خاندان کے ایک تاجر، حاجی فصیح اللسان مرحوم، کے ساتھ لاہور پہنچا، جو میرے ساتھ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد تک گئے۔ اُس وقت جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، ایک ہندوانہ چار منزلہ بلڈنگ میں واقع تھا، جو حضرت مفتی محمد حسنؒ کو اپنے دارالعلوم نعمانیہ سرینگر کے عوض کلیم میں یہ بلڈنگ ملی تھی۔ حضرت مولانا مفتی صاحبؒ بمعہ خاندان اور چند احباب کے اسی بلڈنگ کے بالائی کمروں میں رہتے تھے۔ میں تین دن تک حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ ان کے کمرے میں بطور مہمان رہا۔ حضرت مولانا مفتی

صاحب مرحوم میرے والد کو بعض شاگردوں کی وجہ سے جانتے تھے اس لئے مجھے تین دن مہمان رکھا پھر مدرسے کے حصے میں ایک الگ چھوٹا کمرہ عنایت فرمایا جس میں صرف ایک چارپائی بمع لوازمات کی گنجائش تھی اور سیڑھیوں کے ذریعے جانا پڑتا جس کے نیچے غسل خانے تھے میرے ساتھ ایک دامانی طالب علم بھی گئے تھے جو تایا جی اور والد صاحب کے شاگرد تھے وہ نیچے کمروں میں دوسرے طالب علموں کے ساتھ رہے۔

دارالحدیث اور دفتر اور اساتذہ کے درسی کمروں میں صرف ایک پنکھا ہوتا تھا باقی طالب علموں کے رہائشی کمروں میں پنکھے نہیں تھے ہر طالب علم کو ماہوار پندرہ روپیہ وظیفہ ملتا جس سے وہ خود کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے سالن وغیرہ طالب علم خود پکاتے تھے اور روٹی بھی تندور سے پکواتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب کاندھلویؒ :

حضرت شیخ الحدیث صاحب کاندھلویؒ کو جب پہلی بار دیکھا کہ ہندوستانی عالم نحیف شکل اور تنگ ٹوپی اور چست لباس میں خود لوٹا اٹھا کر نلکے سے پانی بھر رہا ہے تو مجھے ان کی بے تکلفی اور تواضع پر تعجب ہوا اور دہشت طاری ہوگئی کہ یہی حضرت کاندھلویؒ ہیں جو اپنا کام خود کرتے ہیں اور کسی سے نہیں کرواتے۔۔۔۔

داخلہ کے امتحان کے بعد مجھے دورۂ حدیث شریف میں داخلہ ملا ساتھیوں کی تعداد بتیس تھی اور حضرت کے کہنے کے مطابق یہ ان کے دورۂ حدیث پڑھانے کا پچیسواں سال تھا۔حضرت شیخ الحدیث صبح دو گھنٹے بخاری شریف جلد اول پڑھاتے تھے اور کچھ عرصہ کے بعد گھر پر عصر کے بعد بخاری شریف جلد دوم مغرب تک پڑھاتے تھے جس کے لئے ہم عصر کی نماز کے لئے ان کے مکان پر جایا کرتے تھے جو نیلا گنبد بازار کے اندر ایک محلّہ میں جامعہ اشرفیہ سے کچھ دور تھا حضرت کا نہایت شوق ومحبت اور کمال کے ساتھ جامع درس ہوتا

تھا جس سے باقی کتب حدیث بھی سمجھ آ جاتی تھیں ۔ میں حضرت کا پورا درس عربی میں لکھتا رہا اور بعد میں جب طالب علم دن کو آرام کرتے' اور کبھی جمعہ کی رات اور دن کو میں تقریر لکھتا تھا حضرت کے درس سننے کے بعد دوسرے اسباق میں وہ لطف نہیں ہوتا تھا جو ان کے درس میں ہم محسوس کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد ادریسؒ کے علاوہ حضرت مولانا محمد رسول خانؒ سے ترمذی شریف پڑھی جو شیخ الہند کے خاص شاگرد تھے اور شیخ الکل فی الکل جیسے لقب سے یاد کیے جاتے تھے حضرت شیخ پٹھان تھے اور ضلع ہزارہ سے ان کا تعلق تھا اور یہیں موضع اچڑیاں میں دفن ہیں ۔دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں کافی عرصہ معقولات پڑھاتے رہے پھر اورینٹل کالج لاہور میں آئے ریٹائرمنٹ کے بعد جامعہ اشرفیہ میں بیضاوی شریف، قاضی مبارک اور ترمذی شریف آخری زندگی تک پڑھاتے رہے، پاک و ہند کے مشہور علماء کرام کے استاد رہے ہیں جیسے حضرت مولانا محمد ادریسؒ کاندھلویؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ ، حضرت مولانا قاری محمدؒ طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک، حضرت مولانا اختشام الحق تھانویؒ جیسے مشائخ اور علماء عظام وغیرھم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اور مجاز بیعت تھے آخری عمر میں ان پر رقت کا بہت زیادہ غلبہ رہا اور بہت روتے تھے ان کے درس میں معقولیت کا غلبہ زیادہ ہوتا تھا اور دلائل عقلیہ سے اپنے مذہب کا اثبات کیا کرتے تھے۔

مسلم شریف ہم نے حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب سے پڑھی ہے جو صدر مدرس تھے اور علاقہ چھچھ کیمل پور سے ان کا تعلق تھا ان کے بھائی اور بچے سب علماء تھے۔
حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ سے ہم نے موطائین اور طحاوی شریف پڑھی ہیں جو افتاء میں بڑے مشہور عالم گذرے ہیں اور ان کی تفسیر احکام القرآن اور دیگر

تصنیفات طبع ہو چکی ہیں۔ ان کے صاحبزادے حضرت مولانا مشرف علی اور دیگر حضرات آج کل بڑے محدثین، قراء اور علماء ہیں جن کا گلشن اقبال لاہور میں بڑا دارالعلوم ہے، ابوداؤد شریف ہم نے حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سے پڑھی ہے جو آج کل جامعہ اشرفیہ کے مہتمم ہیں۔

حضرت مولانا محمد ادریسؒ کا درس بخاری شریف میں عربی میں لکھتا رہا حضرت الاستاذ جامع مسجد نیلا گنبد میں ہر جمعۃ المبارک کے دن وعظ فرمایا کرتے تھے اور مجھے فرمایا تھا کہ ''یہ بھی اپنے لئے ایک درس سمجھو'' چنانچہ میں ہر جمعہ کے دن ان کے سامنے بیٹھ کر وعظ لکھتا رہا حضرت کے مواعظ علمی اور تحقیقی ہوتے تھے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ''سامعین ہمارے پاس اخباری بیانات اور سیاسی بیان بازی سننے کے لئے نہیں آتے بلکہ دین کی باتیں سننا چاہتے ہیں'' حضرت الاستاد مجھے اپنے بچوں کی طرح اپنی شفقت اور خوش مزاجی سے مستفید فرمایا کرتے تھے آپ طلباء دورۂ حدیث شریف کو اخبارات پڑھنے سے منع فرماتے کہ ''ان کا علم آپ کے لئے مفید نہیں'' حضرت کاندھلویؒ کی تصنیفات میں التعلیق الصبیح آٹھ جلدوں میں، شرح مقامات حریری، عقائدالاسلام سیرۃ المصطفٰی، حیاۃ عیسٰی علیہ السلام، لامیۃ المعراج، شرح القضاء و القدر معہ متن اور تفسیر معارف القرآن تقریباً پچاس تک کتابیں اور رسالے ہیں۔ حضرت کاندھلویؒ اپنے آپ کو مزدوران کتب کہا کرتے تھے۔ روزانہ سات گھنٹے مطالعہ کیا کرتے تھے اور ان کے کمرے میں مختلف کتابیں کھلی ہوئے رہتی تھیں۔ آپ نے ایک بار اپنی نجی مجلس میں مجھے فرمایا تھا کہ ''میں درس دینے کے بعد ہر روز توبہ کرتا ہوں، بُری نیت اور ارادوں سے''۔ ان کے درس کی خصوصیات اور دیگر مناقب اور فواضل اور علمی کارناموں پر میرا ایک مقالہ اُن کی وفات کے بعد، مجلّہ ''الحق'' ماہنامہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں شائع ہو چکا ہے۔

ہمارے درس کے زمانے میں امتحانات زبانی ہوا کرتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان، مجھ سے امتحان لے چکے ہیں۔ میں طلباء دورہ حدیث میں جن کی تعداد بتیس تھی اوّل رہا۔ مکرمی مولانا سید الامین، ارکان برماوالے، دوم رہے۔ وللّٰہ الحمد علی ذلک.

پھر سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۵/۱۶ شعبان ۶ ۷ ۱۳ھ مطابق ۷ ۱۹۵ء جامع مسجد نیلا گنبد لاہور میں شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، صاحب اعلاء السنن (۱۴ جلد) اور حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب ہزارویؒ کے مبارک ہاتھوں سے سبز رنگ عماموں سے ہماری دستار بندی ہوئی۔ سالانہ جلسہ میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی دوراتیں تقریر ہوئی۔ پہلی رات کی تقریر میں دین کے پہنچانے اور خصوصاً تعلیم نسواں کی طرف زیادہ توجہ دلادی۔ اور آپ نے فرمایا کہ استعمار انڈونیشیا اور ملیشیا میں استعمار اپنے نظریات پھیلانے میں ناکامی پر عورتوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور اس صنف نازک کو بے راہ روی پر مختلف حربوں کے ذریعہ آمادہ کرانے کے بعد اپنے مشن میں کافی حد تک کامیاب ہوگئے جو استعمار کا ایک اہم اور خطرناک حربہ ہے۔ دوسری رات کو معراج کے واقعات اور زمانہ کی تقسیم پر آپ نے مفصل تقریر فرمائی۔ پہلی تقریر کا آغاز " یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم و الذین من قبلکم" (الآیۃ) سے کیا تھا۔ اور دوسری تقریر کیلئے آپ نے سورۂ قیامۃ کی ابتدائی آیات اپنے مخصوص لہجے میں پڑھ کر سنائیں۔

حضرت الاستاد کاندھلویؒ نے بروزِ ہفتہ ۱۵ر شعبان ۶ ۷ ۱۳ھ جلسہ کے پہلے دن عالم آخرت کے موضوع پر تقریر فرمائی تھی اور اس کے لئے آپؒ نے آیت " یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی". (الآیۃ) سے شروع فرمایا تھا۔ آپ نے عالم آخرت کے اثبات پر عقلی اور مثالی دلائل پیش کئے۔ اور ملحدین کے جملہ اعتراضات کی

طرف اشارے فرمائے۔اور اُصولی جوابات دیئے۔آپ نے فرمایا............ ؎

پشتہ کئے داند کہ بستان از کجا

در بھار اش زندگی و مردگی ایست

آپ نے فرمایا کہ فلاسفہ کی عقول کی نسبت انبیاء کرام علیہم السلام کی عقول اور علوم کی طرف ایسی ہے، جس طرح گدھوں کے شعور اور حواس کی نسبت انسان کی عقل کی طرف ہے"۔آپ نے فرمایا کہ جس طرح گدھوں کے شعور اور انسانی شعور میں فرق ہے، اس طرح فلاسفہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے شعور میں فرق ہے............... ؎

فلسفی کہ او منکر حنانہ است

از حواس انبیاء بیگانہ است

فلسفی گوید ز معقولات دون

عقل از دہلیز مے ماند بیرون

آپ نے یہ نسبت والی بات امام المتکلمین عبدالکریم شہرستانیؒ سے نقل فرمائی۔

مجلس ذکر :

لاہور کے زمانہ میں حضرت مفتی محمد حسنؒ کے ہاں بالائی منزل میں عصر کے بعد مجلس ذکر ہوتی تھی، جس میں حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مدظلہ العالی اور کبھی برادر اور زمیل مکرم مولانا وکیل احمد شیروانی، مدیر اعلیٰ ماہنامہ صیانۃ المسلمین لاہور، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات سنایا کرتے تھے،کبھی تربیت السالک سے اور کبھی انفاس عیسیٰ وغیرہ سے،اور حضرت مفتی صاحبؒ جو کہ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اور مجاز بیعت تھے، رو رو کر ان ملفوظات کی تشریح کیا کرتے تھے۔میں تقریباً روزانہ اُس مجلس میں عصر کے بعد حاضر ہو جاتا تھا اور حضرت کے ملفوظات سنتا رہتا تھا۔مجلس کے اختتام پر کبھی

کبھار حضرت مفتی صاحب مجھے بلا کر ساتھ بٹھاتے تھے اور شفقت فرما کر پیسے بھی دیا کرتے تھے۔

رائے ونڈ کا اجتماع :

لاہور کے زمانہ درس میں پہلی بار، حضرت مولانا عبدالرحمٰن نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، کے ساتھ رائے ونڈ کے مرکز تبلیغ کے سالانہ اجتماع میں جانا ہوا، مرکز اس وقت صرف ایک کچی مسجد تھی اور ساتھ ایک سادہ بڑا کنواں تھا، جس کا پانی کڑوا تھا۔ لوگ خود لوٹوں کے ذریعہ پانی بھر کر نکالتے رہتے تھے۔ اُس اجتماع میں پہلی بار امریکہ سے دو نیگرو عیسائی، مسلمان ہو کر آئے تھے۔ جن کا بیان بھی ہوا۔ حضرت مولانا محمد یوسفؒ پسر حضرت مولانا محمد الیاسؒ بانی جماعت تبلیغ کی دعاء اور ہدایات پر سالانہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ ہم وہاں تین دن تک رہے، یہ اصطلاحی تبلیغ کا ابتدائی دور تھا۔

لاہور سے وطن واپسی :

بروزِ پیر مورخہ ۱۷ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء چارسدہ، پشاور واپس آیا۔ لاہور سے واپس آجانے پر اپنی مسجد میں درس کا آغاز کیا۔ ابتداء ابوداؤد شریف، مقامات حریری، شرح چغمینی سے بحمداللہ درس شروع ہوا صبح کی نماز کے بعد بعض فضلاء دورہ حدیث شریف کو خلاصۃ الحساب اور سراجی بھی پڑھاتا رہا۔

شادی خانہ آبادی :

بروز اتوار ۱۵ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۸ء کو اپنے بڑے تایا جی کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ نکاح کے موقعہ پر والد بزرگوار نے بعض بزرگان دین علمائے کرام کو دعوت دی تھی جن کے مبارک ہاتھوں سے نماز ظہر کے بعد میری دوبارہ دستار بندی

کرائی گئی ۔ ان میں شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل ربانی آف متھرا ، حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب آف اتمان زئی ، حضرت مولانا محمد اسرائیل مہتمم دارالعلوم اتمان زئی ، حضرت مولانا زکی الدین (المعروف بہ صاحب حق) رحمہم اللہ وغیرہ اکابرین شامل تھے ۔

فاضل دینیات :

اسی سال جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک سے ''فاضل دینیات'' کا امتحان اول پوزیشن میں پاس کیا ۔ اس وقت جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا جس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ ''سابق صدر مدرس دارالعلوم سہارنپور انڈیا'' خلیفۂ اول حضرت حکیم الامت تھانویؒ ، حضرت مولانا عبدالرزاق صاحبؒ آف شاہ منصور جو میرے والد صاحب اور حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ اکوڑہ خٹک کے بھی استاد رہے تھے اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب بہبودی والے جیسے اکابرین پڑھاتے تھے ۔ اول پوزیشن حاصل کرنے پر انعام میں مجھے حضرت مولانا بادشاہ گل صاحبؒ جو جامعہ اسلامیہ کے مہتمم تھے کی طرف سے چند کتابیں بھی ملیں ۔

مولوی عالم :

اور اسی سال ''مولوی عالم'' کا امتحان پشاور یونیورسٹی سے پاس کیا جس میں بھی یہ بندہ اول رہا اور مولانا قاضی محمد مبارک ہزارویؒ ، سابق صدر عربی پشاور یونیورسٹی دوم اور مولانا روح اللہ جان مہتمم دارالعلوم نعمانیہ اتمان زئی سوم رہے ۔ یہ دونوں مجھ سے عمر میں بڑے اور میرے والد صاحب کے شاگرد تھے ۔

جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں سالانہ جلسہ :

جامعہ اسلامیہ میں امتحانات کے بعد مورخہ ۱۵ / مارچ ۱۹۵۸ء کو بڑا جلسہ ہوا ۔

جس میں شاہ عبدالعزیز صاحب تبلیغ والے اور حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کے خطابات ہوئے شاہ عبدالعزیز تبلیغ والے نے اس حدیث شریف پر بیان فرمایا :

''الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر''۔

آپ نے دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کی حقیقت پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ دنیا میں جتنی نعمتیں ہیں یہ جنت کی نعمتوں کے نمونے ہیں اور زلزلے بچھو وغیرہ آخرت کی سزا اور مصیبتوں کے نمونے ہیں اور ان دو شعروں پر تقریر ختم فرمائی ....۔

دنیا سے اس طرح ہو رخصت غلام تیرا
جو دل میں یاد تیری اور زبان پہ نام تیرا
کسے راکس بوکس راکسے بس
مرا ایک نام رب العالمین بس

حضرت مولانا افغانیؒ نے اس آیت سے اپنا خطاب شروع فرمایا : ''ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه''(الآیة) آپ نے واعظ کے اخلاص اور سامعین کے شوق سے بڑا مفصل وعظ فرمایا۔ آپ نے اسلامی خلافتوں اور یورپین ممالک کے موازنہ پر سیر حاصل تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ سید الکائنات علیه الصلاة والسلام نے ایک ہزار اٹھارہ کل مقتولین کے عوض دس لاکھ مربع میل زمین فتح کی تھی۔ جن کے مقابلہ میں صرف پانچ سو نو مسلمان شہید ہوگئے تھے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں ''جنگ عظیم'' میں کروڑوں ہلاک ہوگئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ''یورپ والے ہر سال ایک کروڑ اور دس لاکھ انجیل تقسیم کرتے ہیں جبکہ امریکہ میں سالانہ عیسائی مذہب پر پچیس کروڑ ڈالر خرچ ہوتا ہے۔'' آپ نے دین اسلام کی خدمت پر نشر و اشاعت کی ضرورت پر اس حدیث پر اپنی تقریر ختم کرائی :

"من تَمَسَّکَ بسنتی عند فساد امتی فله اجر مأة شهید"۔

افسوس کہ آج کل جامعہ اسلامیہ خاندانی رقابتوں کی وجہ سے بند پڑا ہے اور آخری مہتمم گوہر جی صاحب قتل ہو گئے ہیں۔

درس کے ساتھ امامت کے فرائض :

والد بزرگوار کے مشورے پر احقر موضع حضرت میاں کلے نزد سرڈھیری میں امامت کے فرائض انجام دینے کے لئے اپنے شاگردوں کے ساتھ وہاں مقیم رہا۔ جمعہ کی رات گھر آتا تھا دونوں جگہوں میں تقریباً چار میل کا فاصلہ تھا۔ اس دوران اپنے شاگردوں کو جو مجھ سے عمر میں اکثر بڑے تھے کتابیں بھی پڑھاتا رہا اور ساتھ مولوی فاضل کے امتحان کی تیاریاں بھی شروع کیں۔

مولوی فاضل :

چنانچہ ۱۹۵۹ء کے امتحاں میں کل چھ سو نمبروں میں سے چار سو چونسٹھ نمبر لے کر اول پوزیشن حاصل کی اور قاضی محمد مبارک صاحب تین سو بتیس نمبر لے کر دوم آئے اور مولانا روح اللہ صاحب سوم رہے۔ اس امتحان میں ہمارے ساتھ مولانا محمد اسحاق صاحب بھی شریک تھے جو آج کل دار العلوم نظامیہ، مقام میر علی ضلع بنوں' کے مہتمم ہیں۔ اسی دوران امامت نور چشم "فیض الحسن" بروزِ چہار شنبہ عید الاضحیٰ کے دن بوقت نماز عید، ۱۰/ ذوالحجہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۷/ جون ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ دوران امامت، جامع مسجد شیخان بازار سرڈھیری میں جمعہ میں پڑھاتا رہا۔ مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی کے بعد ہم تینوں نے عربی ٹیچر پوسٹ کے لئے درخواست دی۔ انٹرویو کے بعد میری تقرری مڈل سکول موضع جبی علاقہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ میں ہوئی۔ سکول کی تقرری آرڈر نمبر 21724 تاریخ 19 نومبر

1959ء تھا۔ وہاں چھ مہینے گزارنے کے بعد والدم بزرگوار کی کوشش سے اپنے گاؤں ''پڑانگ مڈل سکول'' کو ٹرانسفر ہوئی۔ یہاں پر سکول کے مضامین کے ساتھ صبح سکول کے اساتذہ کرام اور بڑے لڑکوں کو ترجمہ قرآن بھی پڑھاتا رہا۔ اپنے محلّہ کی مسجد میں صبح کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد طالب علموں کو کتابیں پڑھاتا رہا۔

منشی فاضل فارسی :

''منشی فاضل فارسی'' کا امتحان جون ۱۹۶۱ء میں دیا۔ جس میں بندہ بحمد اللہ ''۶۰۰'' نمبروں میں ''۳۴۶'' نمبرات لے کر دوم آیا۔ جبکہ پہلے آنے والے کو ''۳۴۸'' نمبرات ملے تھے۔ اسی سال ۱۹۶۱ء برخوردارم ''عزیز الحسن'' ۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۳۸۱ھ کو اپنے پرانے مشترکہ مکان سے نئے تعمیر شدہ مکان میں منتقل ہو گئے۔ جو اُس کے قریب ''محلّہ میاں کلے'' پڑانگ میں بروز پیر ۱۳؍ رمضان ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۲؍ فروری ۱۹۶۱ء کی تعمیر کا آغاز بدست بڑے تایا جی حضرت مولانا رحمٰن الدین صاحبؒ ہوا تھا۔

دوران تدریس مڈل سکول پڑانگ میں نماز جمعہ پڑھانے کے لئے جامع مسجد تحصیل بازار چارسدہ موضع ''عمر آباد'' کے لئے جاتا تھا، جو میرے والد صاحب کے چچازاد بھائی الحاج محمد عمر مرحوم نے اپنی زمین پر بنوائی تھی۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا سالانہ جلسہ :

بروز منگل مورخہ ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۵۸ء بوقت پونے چار بجے عصر دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسہ میں حضرت الاستاد مولانا کاندھلویؒ کا خطاب ہوا۔ جس میں حضرت نے ''**ولقد اٰتینا داؤد وسلیمن علمًا**'' (الآیۃ) سے شروع فرما کر، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب مہتمم

دارالعلوم حقانیہ کی موجودگی میں علم کی فضیلت پر بیان فرمایا۔ اس کے لئے آپ نے کئی وجوہ اور استدلالات پیش کئے، جو سب علمی اور تحقیقی تھے۔ کافی کتابوں اور متقدمین علماء کے اقوال بھی بیان فرمائے، جن سے علماء کرام زیادہ مستفید اور محظوظ ہوئے۔ اور آپ کے علمی نکات قلمبند کرتے رہے۔ پھر شب بدھ کو، مورخہ ۲۲ ر اکتوبر ۱۹۵۸ء حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب کا مفصل خطاب ہوا۔ جو تقریباً پونے تین گھنٹے تک جاری رہا۔ حضرت اس اجتماع کے لئے ''ہندوستان'' سے آئے ہوئے تھے، آپ نے خطبہ کے بعد ''**وعلم آدم الاسماء کلھا**'' (الآیۃ) سے تقریر کا آغاز فرمایا۔ انسانی فضیلت کا راز موضوع تقریر رہا۔ آپ نے انسانی علوم، حیوانی علوم اور انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم پر سیر حاصل خطاب فرمایا، جو بعد میں دارالعلوم حقانیہ کی طرف سے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع ہوا تھا۔

دارالعلوم حقانیہ میں دوسرا سالانہ جلسہ :

حضرت الاستاذ مولانا کاندھلویؒ دارالعلوم کے دوسرے جلسے میں بھی تشریف لائے، جس میں بروز اتوار ساڑھے چار بجے عصر ۲۷ ر شوال ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۴ ر اپریل ۱۹۷۰ء کو آپ کا بیان ہوا۔ اس اجلاس میں حضرت مولانا خیر محمدؒ صاحب ملتان اور حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ بھی شریک ہوئے تھے۔ حضرت الاستاذ کاندھلوی رحمہ اللہ نے حمد وثنا کے بعد '' **ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولاتتبع اھواء الذین لایعلمون** ''۔ (الآیۃ) کی تلاوت فرمائی۔ تقریر کا خلاصہ یہ رہا کہ شرعی احکام خلاف عقل نہیں بلکہ موافق فطرت سلیمہ ہیں۔ جو لوگ شریعت کے احکام یا علماء کرام کا استہزاء کرتے ہیں اور احکام شریعت کو خلاف عقل سمجھتے ہیں، تو یہ ان کی عقل کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔ شریعت کے احکام عقل کے خلاف نہیں بلکہ ان کی خواہشاتِ نفسانی کے خلاف ہیں۔ اسی جلسہ میں پیر کی رات کو ۲۷ ر شوال ۱۳۷۹ھ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مہتمم جامعہ خیر

المدارس ملتان'' کا بیان بھی ہوا۔ جس کو آپ نے اس آیت سے شروع فرمایا :

''**والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین**''. (الآیۃ)

تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ کی راہ میں مجاہدہ، اللہ تعالیٰ کے قرب اور منزلت کا ذریعہ ہے۔ آپ نے انسان کی روح، بدن اور عناصر اربعہ پر مفصل خطاب فرمایا، آخر میں مذہب حنفی کی حقانیت پر اور مقبولیت پر حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے اقوال سنائے۔ حضرت تھانویؒ کے مقولہ پر کہ ''انسان حیوان متفکر ہے اور یہی انسان کامل ہے'' آپ کا بیان ہوا۔ آپ نے آیہ شریفہ سے ''**وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر**'' سے آغاز فرمایا۔ آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ علم کے دو راستے ہیں سمع اور عقل، اور آج کل کے مسلمانوں نے انگریز کی تابعداری میں یہ دونوں ضائع کر دیئے ہیں اور صرف یورپ کا یہ فلسفہ ''حضرت شکم'' اپنائے ہوئے ہیں۔ آپ نے حضرت امام شافعیؒ کا یہ شعر سنایا ...... ؎

ولکن من رزق الحجی حرم الغنی

ضد ان مفترقان ای تفرق

آپ نے فرمایا کہ ''یورپ والے عاقل نہیں اکل ہیں۔ آپ نے ڈاکٹر پے کال فلاسفی کا مقولہ سناتے ہوئے کہا : ''کہ دنیا کی نصف آبادی مجنون ہے اور یورپ والے سب مجنون ہیں''۔ ڈاکٹر ازمنٹر جرمنی نے عالمی جنگ کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ''دوسری عالمی جنگ میں ساڑھے چھ کروڑ انسان قتل اور زخمی ہوئے۔ اس جنگ پر اتنا خرچہ آیا تھا کہ دنیا کے ہر شخص کو ڈھائی سو روپیہ ماہوار کے حساب سے، ایک سو سال کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ صرف سگریٹ پر یورپ میں باون ارب پچاس کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے، جو آٹھ کروڑ انسانوں کے لئے چھبیس سال تک کافی ہو جاتا ہے۔ آپ نے اورنگزیبؒ کے تاریخی قصے سنائے، اور آپ کی آخری وصیت اور گفتگو پر تقریر ختم فرمائی۔ ''ہر چند کہ نظر بہ اعمال خود

ے کنم از عقوبت او مے ترسانم و ہر چند کہ اعتماد بہ فضل خدا ہست امید وار د مغفرت ہستم"۔

آن مسلمانان کہ میری کردہ اند
در شہنشاہ فقیری کردہ اند

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سعودی عرب :

برادر محترم اور ہم زلف جناب مولانا حکیم فضل معبود صاحب نے ایک دن جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی خبر کا اخباری تراشہ مجھے دیا۔ جس میں جامعہ اسلامیہ کی تفصیل اور درخواست بھیج دینے کا بیان تھا۔ چنانچہ میں نے سعودی سفیر کراچی کے نام پر ایک طرف عربی اور دوسری طرف انگریزی میں مورخہ ۱۲/۱۱/۱۹۶۱ء کو درخواست بھیج دی اور حضرت مولانا عبدالجمیل صاحبؒ نے (تاریخ وفات ۱۶/ جماری الاولیٰ ۱۴۲۳ھ) پہلا سفارشی خط حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے نام پر لکھنے کے لئے کہا۔ جو ان کے خصوصی استاد تھے، اُس زمانے میں اسلام آباد نہیں تھا، اور کراچی میں سب سفارتخانے ہوتے تھے، پھر میں نے خود بھی حضرت بنوریؒ کو سعودی سفیر سے سفارش کرانے کے لئے خط لکھا۔ حضرت بنوریؒ سے ہمارے خاندانی تعلقات تھے، اور اُن کی پہلی اہلیہ مرحومہ والدہ محمد بنوری، ہمارے محلہ میاں کلے پڑانگ کی تھی اور جب بھی حضرت بنوریؒ پشاور آتے، تو ضرور اپنے سسرال اور ہمارے ہاں تشریف لاتے تھے اور میرے تائے بزرگوار اور والدم بزرگوار سے ملاقات کیا کرتے تھے، اور اُن کی اہلیہ مرحومہ بھی ہمارے گھر تشریف لاتی تھیں۔ حضرت بنوریؒ کے والد مرحوم حضرت مولانا الحاج محمد زکریا بنوریؒ میرے بڑے تایا جی سے خصوصی مراسم رکھتے تھے، اور اُن کی اہلیہ بھی ہمارے محلہ کی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی پہلی اہلیہ مرحومہ اُن کی ماموں زاد بہن تھی۔

ایک دفعہ حضرت بنوریؒ نے مجھے خط کے جواب میں لکھا کہ "وہاں بلاد عربیہ میں

علم اور درس کی اتنی پختگی نہیں، جتنی ہمارے ملک پاک و ہند میں ہے"۔ اور ساتھ یہ محاورہ لکھا "ان تسمع باالمعیدی خیر من ان تراہ" بہر تقدیر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حضرت بنوریؒ کی سفارش سے میری درخواست منظور ہوئی۔ چنانچہ میں نے منظوری کے آنے پر اس نیت سے سکول سے استعفاء دیا، کہ کبھی بھی اس میدان میں دوبارہ نہیں آؤں گا "ان شاء اللہ تعالیٰ"۔ سکول کے اکثر اساتذہ دین کی تعلیم سے واقف نہیں ہوتے، تو ان کی مجلسوں میں فضول باتوں اور قہقہوں کی بہتات رہتی ہے، بچوں کو پڑھانے کی بنا پر ان کی طبیعت بھی بچوں جیسی ہوجاتی ہے۔ صحبت کا ضرور اثر ہوتا ہے۔ معمولی بات پر خوش اور معمولی بات پر ناخوش ہوجاتے ہیں۔ "معلم الصبیان" عربی محاورہ احمق سے کنایہ ہوتا ہے۔ سکول میں اور کالج میں دینیات اور عربی ماسٹر کم درجے کا استاذ سمجھا جاتا ہے جبکہ انگلش اور ریاضی پڑھانے والے اونچے درجے کے استاد سمجھے جاتے ہیں۔ میرے استعفاء کی منظوری 5/6/1962ء بمطابق آرڈر 578781 کو ہوئی۔ جبکہ تقرری 19/11/1959ء کو ہوگئی تھی۔ ان دونوں تاریخوں کے درمیان میری سرکاری ملازمت کا زمانہ رہا۔ سعودی عرب جانے کے لئے بڑی محنت سے پاسپورٹ بنوایا، جو اُس وقت تھانے اور سی آئی ڈی کی رپورٹ کے بعد بن جاتا تھا۔ پاسپورٹ کا نمبر A-B-057341 اور تاریخ 5/6/1962ء رہی۔ اُس پر سعودی عرب کا ویزا نمبر 2670 اور تاریخ 21/6/1962ء کا لگا۔ بروز پیر مورخہ ۷/محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۱/۶/۱۹۶۲ء بذریعہ ریل گاڑی عازم کراچی ہوا۔ اور ۱۴/۶/۱۹۶۲ء کی صبح کو کراچی شہر پہنچا، جو میں نے کبھی بھی اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ جامعۃ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں برادرم محترم حضرت مولانا حافظ عبد اللہ کاکاخیل مرحوم اور مولانا عبدالقیوم حال ناظم تعلیمات کے ساتھ جامع مسجد کے شمالی دروازے کے اوپر والے بالائی کمرے میں قیام رہا۔ برادرم مولانا عبداللہ کاکاخیل مرحوم

اور مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب ''حال مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن'' کی بھی میرے ساتھ منظوری ہوئی تھی، جو کہ دونوں مجھ سے عمر میں بڑے اور علم و اخلاق میں بہت بہتر تھے۔

دوسرے روز سعودی عرب سفارت خانہ پر جا کر کونسل سے معلوم ہوا کہ پاکستان کے وزارت خارجہ کی طرف سے ان کو ہمارے انتخاب پر نوٹس آیا ہوا ہے کہ آپ نے ہمارے ملک سے ہماری اجازت کے بغیر اپنے یونیورسٹی کے لئے طالب علموں کا انتخاب کیوں کیا ہے؟ ان کو واپس کرا دے اور ہم اپنے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے لڑکے دے دیں گے۔ اس خبر پر کافی پریشانی ہوئی، میں نے دل میں کہا کہ ''کہ میں نے سکول سے بھی استعفاء دیا ہوا ہے اور عزیز و اقارب سے رخصت لے کر مدینہ منورہ جانے کے لئے کراچی آ گیا ہوں''۔ اگر میں وطن واپس ہوا تو نہایت شرمندگی ہوگی۔ خیر کونسل اور نائب سفیر خواجہ سلیمان صاحب نے یہ تسلی دیدی کہ ''ہماری اور وزارت خارجہ کے درمیان اس سلسلے میں خط و کتابت جاری ہے۔ تقریباً بیس دن تک یہ کشمکش جاری رہی، میں دن کو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے درس ترمذی شریف میں شریک ہوا کرتا تھا۔ اور کبھی کبھار عصر کے وقت برادرم مولانا عبدالرزاق صاحب کی مسجد میں ان سے دل لگی کے لئے جایا کرتا تھا۔ ان کی مسجد مدرسہ کے قریب تھی، اور میرے یہ دونوں ساتھی حضرات' مولانا سید عبداللہ کاکاخیل مرحوم اور محترم مولانا عبدالرزاق صاحب جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں تدریس کے فرائض اور انتظامی اُمور انجام دیا کرتے تھے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھنا :

جب کراچی میں انتظار کے دن زیادہ بڑھ گئے اور پریشانی میں اضافہ ہوا۔ تو ایک

رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اور برادرم محترم مولانا عبداللہ کاکاخیل مرحوم ایک ٹیلے پر واقع گاؤں کی طرف کچے اور ٹیڑھے راستے پر چڑھ کر جارہے ہیں، تو کسی نے مجھ سے پوچھا کہ ''آپ کہاں جارہے ہیں؟'' میں نے کہا مدینہ منورہ جارہے ہیں' جب ٹیلے کے اوپر گاؤں کے سرے تک پہنچے، تو اس وقت میں اپنے آپ کو اکیلا محسوس کررہا تھا۔ وہاں ایک دور افتادہ زمین پر سنگ مرمر کی بنی ہوئی قبر نظر آنے لگی۔ کسی نے مجھ سے کہا کہ ''وہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک ہے''۔ تو میں وہاں جا کر جب قریب پہنچا تو قبر اب نہیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سفید کفن میں ملبوس اور چہرہ چھپا ہوا ایک لحد کی طرح گڑھے میں لیٹے ہوئے نظر آئے۔ تو کنارے پر کھڑے ہو کر میں نے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ اب دیکھتا ہوں کہ حضورِ پاک ﷺ اس گڑھے میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں، جیسا سویا ہوا انسان اپنے خواب کے بستر پر کروٹ بدلتا رہتا ہے، میں نے اس وقت دل میں یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہی ہیں، اس لئے تو کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف کروٹ لیتے رہے ہیں، اور یہ زندگی کی علامت ہے۔ اسی دوران نبی کریم ﷺ نے اپنے چہرے مبارک سے چادر ہٹائی۔ آپ ایک درمیانی عمر اور سفید، کالی داڑھی والے مگر مقدار میں کچھ کم کی صورت میں نظر آئے۔ تو میں فوراً گڑھے میں اُتر کر آپ ﷺ سے لیٹی ہوئی حالت میں معانقہ کرنے لگا۔ حضرت ﷺ نے مجھے منہ پر بوسہ دیا' میں نے عرض کیا کہ ''میرے والد صاحب آپ کو سلام کہہ رہے تھے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اُن کا سلام مجھے پہنچا ہے'' اسی وقت میں خواب سے بیدار ہوا اور خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ''ہماری منظوری ہو جائے گی''۔ (انشاء اللہ)

میرے ذہن میں بوسہ کی تعبیر حفظ قرآن اور درسِ حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دونوں مجھے حاصل ہیں اور چھوٹی داڑھی میری داڑھی کٹائی کے قصور کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ جو اُس وقت میں کرتا تھا۔ صبح میں نے متعلقہ

احباب سے کہا کہ فکر نہ کرو، منظوری آ گئی ہے۔ جب سفارت خانہ گئے، تو معلوم ہوا کہ پاکستان کے وزارت خارجہ نے اجازت دیدی اور ہمارا انتخاب منظور ہو گیا ہے۔ خواب کا قصہ میں نے اپنے والد بزرگوار صاحب کو لکھا اور برادرم مولانا عبدالرزاق صاحب سے عربی میں ٹائپ کرا کر بذریعہ ڈاک بھیجا۔ وہ بھی نہایت خوش ہو گئے۔ اس کی نقل میرے پاس اب بھی محفوظ ہے۔

مدینہ منورہ روانگی :

قاعدہ کے مطابق ہمارا سفر سعودی حکومت کے اخراجات پر ہوائی جہاز سے تھا، مگر اسلامک شپ کارپوریشن والوں نے سعودی سفارت خانہ سے کہا کہ ''ہمارے بحری جہاز کراچی سے جدہ واپسی پر خالی جا رہے ہیں، اس لئے اپنے ملک کے طالب علموں کو بحری جہاز میں بغیر کرایہ جدہ شریف پہنچا دیں گے۔ سفارت خانہ نے منظور کیا۔ چنانچہ ہم اٹھارہ طالب علم، مغربی اور مشرقی پاکستان کے جن میں کچھ اہل حدیث حضرات بھی تھے، بروز اتوار مورخہ ۱۳۸۲/۲/۵ھ مطابق ۱۹۶۲/۷/۸ء کراچی سے بحری جہاز ''سفینہ حجاج'' میں عازم بلاد مقدس ہو گیا۔ اور جدہ کو ۱۵ / جولائی ۱۹۶۲ء مطابق ۱۳۸۲/۲/۱۳ھ پہنچے، ایک ہفتہ بحری جہاز کا سفر رہا۔ اس سے پہلے کبھی میرا بحری جہاز اور سمندر سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اس وجہ سے دو دن تقریباً اکثر ساتھی دردسر اور سر چکرانے کی مصیبت میں مبتلا رہے۔ مجھے خود بڑی تکلیف رہی، اور دو دن کھانا نہیں کھا سکا۔ میں نے سنا ہے کہ بحری جہاز اور سمندری سفر کرنے والوں کو پہلی دفعہ یہ تکلیف ہو جاتی ہے۔ دوبارہ سفر میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہمارے ساتھ بھی معاملہ پہلی بار رہا، پھر بحری سفر ہوتے رہے مگر یہ مصیبت نہ ہوتی۔ مسلسل بحری سفر میں کہیں بھی خشکی یا زمین کا کنارہ نظر نہیں آیا۔ میں یوں سمجھ رہا تھا کہ پوری زمین پر سمندری پانی ہے، دریا میں ہر قسم کی مچھلیاں، کھیل کود کر نظر آتی تھیں، اُڑنے والی مچھلی بھی جہاز کے

سامنے سے اُڑ کر ہوا میں دور جا کر سمندر میں ڈوب جاتی تھی۔ پانچویں دن جب عدن کے پہاڑ نظر آئے، تو جی بہت خوش ہوا کہ زمین نظر آئی۔ عدن شہر جانے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ موٹر لانچوں کے ذریعہ عدن شہر چلے گئے۔ عدن اس وقت برطانیہ کے استعمار کے زیر تسلط تھا۔ بازاروں میں چہل پہل، خرید وفروخت کی بہتات، ہجوم اور گرما گرمی قابل دید رہی۔ یہ جنوبی یمن کا اہم شہر ہے، جس کے ایک طرف عدن ایشیا کا جزیرہ اور دوسری طرف ''زنجبار'' ہے جو افریقہ کا ملک ہے۔ یہاں سے بحیرہ احمر کا سرا شروع ہوتا ہے۔ میں نے بعض دوکانداروں سے کہا کہ آپ اب تک انگریزوں کے تسلط میں ہیں، کوشش کریں کہ آپ اس استعماری قوت سے آزاد ہو جائیں، بدقسمتی سے برطانیہ سے آزاد ہو جانے پر یہ شہر کمیونسٹ روس کے زیر اثر رہا۔ الحمد للہ کہ اب دونوں یمن' جنوبی اور شمالی ایک جمہوری ملک بنانے پر متفق ہو گئے ہیں، جس کا دار الخلافہ ''صنعاء'' ہے اور اہل یمن کی بڑی تعریف آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے : " **اتاکم اهل اليمن هم ارق افئدة والين قلوبًا الايمان يمان و الحكمة يمانية**"۔ (الحدیث)

یہ سب صورتِ حال اور خوشی کا منظر میں نے اپنے والدِ بزرگوار کو خط میں لکھا۔ جدہ شریفہ پہنچنے پر ہمارے استقبال کے لئے جامعہ اسلامیہ کا نمائندہ جدہ میں، شیخ عبدالعزیز اور برادرم محترم مولانا عبدالوہاب صاحب عباسی مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ اس سفر میں ان کے بھائی حبیب الرحمٰن عباسی بھی ہمارے ساتھ تھے۔ یہ دونوں حضرت مولانا عبدالغفور عباسی نقشبندیؒ کے بھتیجے تھے۔ حبیب الرحمٰن عباسی صاحب آج کل ریاض کے دارالقضاء میں بطور ترجمان مقرر ہیں اور اُن کو وہاں کی جنسیت بھی مل چکی ہے۔ جدہ میں سرکاری کاروائی کی تکمیل کے بعد مکۃ المکرّمۃ روانہ ہو گئے۔ جہاں پر ہمیں ارکان عمرہ ادا کرنے تھے، مولانا عبدالوہاب عباسی صاحب مناسک عمرہ ادا کرنے میں ہماری رہنمائی

کرتے رہے۔عمرہ سے فراغت کے بعد جدہ واپس آئے اور یہاں سے چھوٹی بس میں عازم مدینہ منورہ ہو گئے۔تقریباً چھ گھنٹوں میں براہِ بدر، بروز بدھ ۱۶ر صفر المظفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ر جولائی ۱۹۶۲ء کو مدینہ منورہ پہنچے، استقبال کے لئے شیخ عبداللہ ابن زائد مدیر الادارہ ''سربراہ انتظامیہ'' یونیورسٹی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ مدینہ منورہ کی آمد کی خوشی کی کیفیات اور وہاں کے مناظر کا بیان ضبط تحریر میں نہیں آ سکتے۔

خاک یثرب از دوعالم خوش تر است
واخنک شہرے کہ آنجا دل براست
درد دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما زنام مصطفیٰ است
محمدؐ عربی کہ ابروئے ہر دوسرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بہ سر اوست
بس بود جاہ و احترام مرا
یک علیک از تو صد سلام مرا
معطر کر دیتی ہے جان ودل کو
ہوائے خوش و مشک بار مدینہ
زہے نصیب کہ درگوش من جواب سلام
رسد ز حسن کلام تو یا رسول اللہ

اُس وقت یونیورسٹی ایک فوجی چھاؤنی میں تھی۔جس کے اردگرد دیوار اور لوہے کی گرِل تھی۔ساتھ شمال کی طرف گورنر کا بنگلہ بھی تھا۔ایک سال سے کم عرصہ یونیورسٹی کے افتتاح پر گزرا ہوا تھا، اس وقت گرمی کی تعطیلات تھیں اور عام طالب علم چھٹی پر تھے، ہم وہاں سابقہ فوجی کمروں میں، جو شقوں کی شکل میں بنائے گئے تھے، ہر شقہ ''فلیٹ'' میں تین

چار کمرے، غسل خانہ، کچن، اور درمیان میں صحن ہوتا تھا۔ ہم پاکستانی دوتین شقوں میں تقسیم ہوئے۔ یہ ناچیز، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب، برادرم مولانا عبداللہ کا کاخیل صاحب مرحوم اور حبیب الرحمٰن عباسی ایک ہی کمرے میں مقیم ہوگئے۔ ہر کمرے میں چار قیمتی لوہے کی چارپائیاں صوفہ گدے اور صاف ستھرے، فرش پر کارپٹ اور دوسری ضروریات سے آراستہ تھے۔ مدینہ منورہ سے یونیورسٹی مغرب کی جانب وادیٔ عقیق کے مغربی کنارے پر قصر الوالی کے قریب راہِ سلطانہ پر واقع ہے۔ یہ سڑک ''مسجد ذات القبلتین'' کو بھی جاتی ہے اور حرم نبویؐ شریف سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر کھلے میدان میں واقع ہے۔ اس میدان کے بارے میں یہ مقولہ نقل کیا جاتا ہے ''نعم جو العرصة لولا كثرة هوامها'' باقی طرف پہاڑ واقع ہیں۔ جن کو جبال الجن بھی کہتے ہیں۔

ہماری تین دن کی مہمانی فندق التیسیر مدینہ منورہ شہر میں مقرر تھی۔ شیخ عبداللہ بن زائد ''مدیر الادارہ'' کی نگرانی میں جامعہ کی بسوں میں ناشتہ اور دونوں وقت کھانے کے لئے اُس ہوٹل میں جایا کرتے تھے۔ غدا، عشاء اور فطور کا اعلیٰ اور شاہی انتظام ہوتا تھا۔ ایسا کھانا اور ناشتہ ہم نے پہلے کبھی بھی نہیں کھایا تھا۔ اس وقت اس ہوٹل سے اعلیٰ ہوٹل مدینہ منورہ میں نہیں تھا۔ تین دن مہمانی اور مقامات متبرکہ کی زیارات سے فارغ ہوجانے پر ہم نے اپنے انتظامات شروع کئے۔ وظیفہ کے مسئلے پر ریاض سے بذریعہ ٹیلی گرام رابطہ ہوا۔ چنانچہ وظیفہ کی منظوری بھی تعطیلات کے دوران آ گئی۔ انتظامیہ کی طرف سے معلوم ہوا کہ اگر ہم قسم ثانوی میں داخلہ لینا چاہیں، تو ہم بغیر امتحان قبول کے قسم ثانوی میں داخل ہو جائیں گے اور اگر قسم عالیہ میں داخلہ لینا چاہتے ہیں تو آپ کو اختیار القبول دینا ہوگا۔ چونکہ ہم سے پہلے آنے والے ہندوستانی لڑکوں کو بغیر امتحان قبول کے قسم عالی میں داخلہ دے چکے تھے، اور پھر سالانہ امتحان میں اٹھارہ میں سے سولہ فیل ہوگئے۔ اس بناء پر انتظامیہ والے

پاک و ہند کی تعلیم کے بارے میں کچھ بدظن ہو گئے تھے۔ ہمارے پاکستانی اٹھارہ طالب علموں میں آدھے نے کہا کہ ''ہم امتحان قبول نہیں دے سکتے اور قسم ثانوی میں داخلہ لیں گے'' اور ہم نو ساتھیوں نے کہا کہ ''ہم امتحان قبول دیں گے''۔ قسم ثانوی کہیں جاتا نہیں، اگر خدانخواستہ فیل ہو گئے تو خود بخود ثانوی میں داخل ہو جائیں گے۔ وطن واپس تو نہیں کرتے۔

چنانچہ امتحان قبول کے چار پرچے تھے۔ پیر کے دن مورخہ ۱۳۸۲/۵/۹ھ سے جمعرات ۱۳۸۲/۵/۱۲ھ تک امتحان جاری رہا اور پھر اتوار ۱۳۸۲/۵/۱۵ھ کو نتیجہ نکلا۔ ہم سب امتحان دینے والے ساتھی پاس ہو گئے اور یہ ناچیز بحمد اللہ سب سے اوّل رہا۔ اس وقت سے پاکستانیوں کا انتظامیہ پر اثر اچھا رہا۔ وہ پاکستان کی معیار تعلیم کو اچھی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اور ہمیں ''کلیة الشریعة'' کے قسم عالیہ میں داخلہ ملا (اُس وقت صرف وہی کلیہ تھا) اور پھر بروز پیر مورخہ ۱۳۸۲/۵/۱۶ھ سے پڑھائی شروع ہو گئی۔ روزانہ چار پیریڈ ہوتے تھے۔ جن کو وہ حصص کہتے ہیں، ان میں فقہ، توحید، تفسیر، قواعد، تاریخ، مذاہب اجتماعیہ، فرق اسلامیہ، اُصول فقہ، حدیث، اخلاقیات وغیرہ بعض مضامین کے لئے کتابیں تھیں اور بعض بشکل محاضرات، جو بعد میں چھپ کر مل جاتے تھے۔ کتابوں میں تفسیر فتح القدیر، تلخیص المفتاح، الباعث الحثیث، الفرق بین الفِرق، المقنع، شرح قطر الندی وغیرہ شامل رہیں، بعض مضامین روزانہ اور بعض ہفتہ میں ایک بار اور بعض دو بار ہوا کرتے تھے۔ باہر کے علماء کرام، بحیثیت استاذ زائر آ کر محاضرہ (لیکچرز) دیا کرتے تھے، جیسے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ انڈیا، ڈاکٹر حمید اللہ فرانس، شیخ محمد صواف عراق وغیرہ۔

پہلے سال ہم مدینہ منورہ سے احرام باندھ کر بنیت مناسک عمرہ ادا کرنے بروز جمعۃ المبارک ۸/ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ کو مطابق ۱۹۶۲/۹/۷ء مکہ مکرمہ گئے، پھر دوسرا عمرہ اتوار کے دن تنعیم سے پھر تیسرا عمرہ بروز پیر بھی تنعیم سے کیا، پھر رمضان شریف میں حرم نبویؐ سے احرام باندھ

کر مکہ مکرمہ پہنچ کر ۲۴؍رمضان کو عمرہ ادا کیا، پھر ۲۵؍اور ۲۶؍رمضان کو بھی تنعیم سے عمرے ادا کیے۔

کعبہ شریف میں داخلہ :

منگل کے دن ظہر کی نماز کے بعد مورخہ ۲۵؍رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ کو کعبہ شریف کے اندر جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مختلف کونوں میں بیس رکعات نفل پڑھی۔ اُس وقت بیت اللہ شریف کے اندر لکڑی کے دوستون تھے۔ اور ایک بڑا صندوق تھا۔ صندوق میں پرانی یادگاری چیزیں تھیں۔ حطیم کی طرف اوپر جانے کے لئے سیڑھی تھی، بیت اللہ شریف کی دو چھتیں ہیں۔ میں ادب کی بناء پر اوپر نہیں چڑھا۔ نیچے چھت پر سرخ غلاف چڑھا ہوا تھا، اور اوپر جانے والی سیڑھی کے دروازے پر سبز رنگ کا غلاف تھا۔ چونکہ بیت اللہ شریف میں ایک دروازے کے علاوہ، کھڑکی، روشندان نہیں، بجلی بھی نہیں تھی تو اندر اندھیرا اور گرمی تھی۔ میرے جملہ کپڑے پسینے سے تر ہو گئے تھے، بیت اللہ کا دروازہ اندر کی طرف سے لوہے کا تھا اور باہر سے اُس پر چاندی اور سونے کی کشیدہ کاری ہوئی تھی۔ جس کو عبدالرحیم صائغ نے مکۃ المکرّمۃ میں بحکم جلالۃ الملک عبدالعزیز مرحوم ۱۳۴۲ھ میں بنایا تھا۔ بیت اللہ کے داخلے کے لئے لکڑی کی سیڑھی لگائی جاتی تھی، اس پر نیا غلاف چڑھاتے وقت میں رسیوں کے ذریعہ اوپر چڑھا، اور کافی دیر اندر رہا، پھر دوسری بار بھی بروز بدھ ظہر کے وقت مورخہ ۲۶؍رمضان ۱۳۸۲ھ کو اندر داخل ہوا، اور بیس رکعات سے زیادہ نفل پڑھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

جامعہ اسلامیہ کی بنیاد :

عالم اسلام کے مطالبہ پر سعودی حکومت نے شاہ سعود مرحوم کے حکم پر اس کی بنیاد

رکھی۔مقام کے لئے مبارک شہر مدینہ منورہ کا انتخاب ہوا۔ جہاں سے نورِ نبوت اور اسلام کی روشنی پھیل چکی ہے۔ اس کے مجلس شوریٰ میں عالم اسلام کے مشہور ہستیوں کو لیا گیا ہے، مثلاً ہند سے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ مرحوم متوفی ۱۴۲۲ھ، پاکستان سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم، عراق سے شیخ محمد صواف، مصر سے مفتی حسنین مخلوف اور اسی طرح دوسرے ممالک کے علماء شامل رہے۔ ان میں سے بعض اراکین لیکچرز دینے کے لئے بھی آتے رہیں۔ خصوصاً حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ جس نے ''النبوة والانبياء وحاجة الانسانية الى تعاليمهم وبعثتهم'' جیسے عنوانات سے مختلف لیکچرز دئے ہیں، جو بعد میں کتابی شکل میں طبع ہو چکے ہیں۔ اور شیخ صواف عراق کے مشہور واعظ اور اسلامی مفکر نے بھی لیکچرز دیتے ہیں۔ یہ لوگ بطور استاذ زائر جامعہ کی دعوت پر آتے تھے۔ اور ساعۃ المحاضرات میں طلباء اور اساتذہ کو اپنے محاضرات سے مستفید فرماتے تھے۔ بعض محاضرات کا ذکر بعد میں آئے گا۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے بعض مشائخ کا تذکرہ

الشيخ محمد الامين الشنقيطیؒ :

میرے خصوصی مشائخ میں جن سے میں نے تفسیر اور اُصولِ فقہ پڑھی ہیں، وہ فضیلۃ الشیخ محمد الامین الشنقیطی مالکیؒ ہیں۔ جو اصل میں حکومت موریطانیہ (افریقہ) کے باشندے، اور شنقیط قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، اور مدینہ منورہ سے پہلے ریاض یونیورسٹی میں استاذ رہ چکے تھے۔ سعودی عرب حکومت نے جنسیت (نیشنلٹی) بھی دیدی تھی۔ قرآن اور حدیث اور مروّجہ علوم کے حافظ تھے۔ میں نے ایسا حافظہ کسی دوسرے استاد کا نہیں دیکھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہمارے ہاں اساتذہ اپنے طالب علموں کو تختیوں پر اسباق لکھوا کر یاد کراتے تھے، اور ہم اپنے اساتذہ کرام کے حیوانات بھی چراتے تھے۔ مملکت موریطانیہ کے

مرد اور عورتیں تمام بلاد عربیہ میں قوت حافظہ میں مشہور ہیں۔ میں نے اپنے شنقیطی ساتھیوں سے سنا تھا کہ ہمارے ہاں ہر گھر میں اکثر حافظ قرآن عورتیں ہوتی ہیں۔ میں نے اپنے استاذ مکرم سے سنا ہے کہ ''میں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اور ہمارے ہاں امتحان دینے کے لئے ممتحنین کے درمیان بیٹھنا پڑتا تھا، جو مختلف سوالات کیا کرتے تھے۔ چنانچہ مجھ سے بھی اس طرح کا امتحان لیا گیا ہے۔ اور شیخؒ کو عام علوم اُصولِ فقہ، منطق، قواعد، اُصول حدیث، سیرت، تاریخ، لغت میں الفیے یاد تھے۔ منطق میں سلم العلوم کے نام سے وہ الفیہ بھی یاد تھا۔ جس کی بنیاد پر ہمارے مولانا محب اللہ بہاری نے اپنا ''سلم العلوم'' لکھا ہوا ہے، جس طرح ابن حاجب مالکی نے کافیہ اور شافیہ کو امام زمخشری کی کتاب ''المفصل'' کی بنیاد پر تصنیف کر لئے ہیں۔ حضرت شیخ کی تفسیر'' اضواء البیان فی ایضاح القرآن ''جو قرآن کی تفسیر قرآن مجید کے حوالہ سے کر چکے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے بھی یہ ارادہ کر لیا تھا، مگر وہ عاجز آ گئے اور اُس نے پھر تفسیر بالحدیث و السنۃ شروع کر دی۔ ہمارے زمانے میں سورۃ انبیاء تک چار جلدوں میں طبع ہو چکی تھی۔ جو حضرت الاستاذ نے مجھے خود دیئے تھے، پھر حضرت کی وفات کے بعد ۱۳۹۹ھ میں شیخ محمد عطیہ سالم مصری نے اسی تفسیر کو مکمل کر لیا۔ جو شیخ کے خصوصی شاگرد اور جامعہ میں ہمارے استاذ رہ چکے ہیں۔ بعد میں مدینہ منورہ کے قاضی بھی رہے، جواب راہی دار بقاء ہو گئے ہیں۔ شیخ شنقیطی کی دوسری کتاب ''منع المجاز فی المنزل للتعبد والاعجاز'' ہے جس میں شیخ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں مجاز مستعار نہیں۔ یہ حافظ ابن تیمیہؒ اور بعض دیگر ائمۂ لغت کا بھی مسلک ہے۔ ہمارے شاہ انور شاہ کشمیریؒ کے بھی مترادفات اور مجاز کے بارے میں یہی رائے ہے۔

دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاز مستعار کے بارے میں نفی علی سبیل الحقیقہ

جائز ہوتی ہے۔اور کلامِ الٰہی میں اس کے اجرا سے بظاہر کلام اللہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔
مثلاً ایک شخص کہتا ہے، ''رأیت أسداً فی الحمام'' جس سے قرینہ کی بنیاد پر بہادر شخص مراد ہے۔تو آپ اس کہنے والے کو یہ کہہ سکتے ہیں ''واللہ ما رأیت اسداً فی الحمام'' بمعنی شیر حیوان،تو آپ نے بظاہر اُس کے کلام کی تکذیب کر لی ورنہ دونوں کلاموں میں کوئی تعارض نہیں۔اثبات ایک چیز کی طرف راجع ہے اور نفی دوسری کی طرف۔

شیخ کی تیسری کتاب ''دفع ابهام الاضطراب عن آیات الکتاب''جس میں بظاہر متعارض آیات کی تطبیق ہے۔جس طرح امام بخاریؒ نے سورۃ حٰمٓ السجدۃ کی تفسیر میں نافع بن ارزق خارجی کے سوالات اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے جوابات نقل فرمائے ہیں۔حضرت کے اصول فقہ میں ''الایضاح علی شرح مراقی الفلاح'' وغیرہ بھی ہیں۔چونکہ شیخ بہت بڑے فقیہ تھے۔اس لئے ائمہ کرام کے نہایت احترام اور ادب کرنے والے اور خود بڑے متقی اور متفق علیہ صورتوں پر عمل کرنے والے تھے۔ایک دفعہ مجھ سے فرمانے لگے کہ ''جب میں شکار کھیلنے کے لئے مدینہ منورہ سے باہر جاتا ہوں تو زندہ پکڑنے کی صورت میں اُسے خارج حرم ذبح کرتا ہوں کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرم کی زمین میں زندہ شکار ذبح کرنا بھی ممنوع ہے۔جبکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک زندہ پکڑے ہوئے شکار کو آپ حرم میں ذبح کر سکتے ہیں۔تو میں احتیاطاً اتفاقی صورت پر عمل کرتا ہوں۔احناف بھی حرم مدینہ منورہ کے قائل ہیں،مگر اس کی اس طرح تشدید نہیں جیسی حرم مکہ شریف کی ہے۔مسجد نبوی میں قدیم حصہ، جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مسجد تھی، وہاں بیٹھتے تھے تاکہ ''فی مسجدی هذا'' کلمہ کے اسم واشارہ کے اختلاف کی صورت میں اتفاقی صورت پر عمل کر سکے۔ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ فقہ حنفی کے اصول باریک ہیں اور مستقل پڑھنے کے لائق ہیں۔جبکہ تینوں مذاہب کے اُصول بہت زیادہ مشترک اور

قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت الاستاذ شنقیطی مجھ سے بہت محبت اور شفقت فرماتے تھے۔ میں نے ان سے بہت استفادہ کیا ہے اوران کی ہرتقریر لکھی ہے۔

غیرمقلدین میں تفقہ نہیں :

ایک نجی مجلس میں میں نے پوچھا کہ غیرمقلدین استنجاء میں **جمع بين الحجر والماء** کو بدعت کہتے ہیں، تو وہ ہنس پڑے اور فرمایا کہ ''ان لوگوں میں تفقہ نہیں کہ **جمع قياس من باب الاولیٰ** سے بھی ثابت ہے، جب ایک چیز سے پاکی حاصل ہوجاتی ہے، تو دونوں کو جمع کرنے سے خوب پاکی حاصل ہوجاتی ہوگی، جس طرح ضرب والدین، کا ممنوع ہوجانا کلمہ ''اف'' سے **من باب الاولیٰ** ثابت ہے۔ زوج ثانی کے طلاق دینے کی صورت میں زوج اوّل کے لئے بیوی حلال ہوجاتی ہے، تو اگر زوج ثانی مرجائے یا **العياذ بالله** مرتد ہوجائے، تو اس صورت میں بھی زوج اوّل کے لئے حلال ہوجاتی ہے، اگرچہ منصوص صرف طلاق ہے''۔

الشیخ محمد ناصرالدین الالبانیؒ :

ہم نے حدیث شریف کی کتاب ''**سبل السلام شرح بلوغ المرام**'' کی جلد اوّل، جلد دوم اور مسلم شریف کا کچھ حصہ شیخ ناصرالدین البانیؒ سے پڑھا ہے، جو اصل میں البانیہ کے مہاجر تھے۔ اپنے والدین کے ساتھ البانیہ سے ہجرت کرکے شام ''دمشق'' میں رہائش پذیر ہوگئے تھے۔ غالباً شیخ **بهجة الفيطار** مرحوم اہل حدیث عالم کی صحبت کی بناء پر غیرمقلد ہوگئے تھے، جبکہ ان کے والد صاحب پکے حنفی تھے۔ اور البانیہ میں سب احناف ہیں۔ حضرت الشیخ واقعی غیرمقلد تھے۔ وہ کسی مسئلے میں بھی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ اپنی تحقیق کی روشنی میں بہت سے مسائل میں شاذ ومتفرد رہے۔ حیض کے خون کے علاوہ اُن

کے نزدیک باقی خون پاک ہیں۔شراب پاک ہے، حلقہ کی شکل میں بنے ہوئے سونے کے زیورات عورتوں کے لئے حرام کہتے رہے۔مثلاً بالی، ہار، عورتوں کے لئے چہرے اور ہاتھ چھپانے کے قائل نہیں تھے۔ ہر رفع اور خفض کے ساتھ رفع الیدین کیا کرتے تھے ۔ **غیر سائق الهدی** حاجی کے لئے وجوباً فسخ برائے عمرہ کے قائل تھے۔عمرہ میں طواف کرنے کے بعد متصل تحلیل کے قائل تھے، جس طرح حضرت ابن عباسؓ کے حج میں تفردات نقل ہیں۔دوسال پڑھانے کے بعد بعض شاذ فتوؤں کی بنا پر حکومت نے اس کی ترحیل کرائی، اور وہ واپس دمشق چلے گئے۔تخریج احادیث میں بہت ماہر تھے، مگر فقہ، نحوی قواعد اور دیگر فنون سے ان کا خاص واسطہ نہیں تھا۔دمشق میں پہلے گھڑی ساز تھے۔ان کی کتاب **سلسلة الاحاديث الضعيفه والموضوعة** چار بڑی جلدوں میں شائع ہوگئی ہیں۔انہوں نے سنن اربعہ اور 'کتاب الادب المفرد' امام بخاری کی تقسیم صحیح اور ضعیف میں کر لی ہے۔جن کو بعض غیر مقلد مطابع نے صحیح اور ضعیف کے نام سے الگ الگ شائع کرائے ہیں۔دیگر اہل علم وفقہ اس عمل کو سابقہ علماء محدثین کی کتابوں میں بے جا دخل سمجھ کر غلط اور ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں۔ چونکہ بعض بلاد عرب میں ظاہریت کا غلبہ ہے۔تو وہ جب یہ دیکھتے ہیں کہ کتاب کا یہ حصہ ضعیف ہے، تو وہ اس حصے کو بالکل نظر انداز کر کے ناقابل عمل سمجھتے ہیں۔ان کے ہاں موضوع اور ضعیف کا گویا ایک ہی مرتبہ ہے۔

مصر کے ایک عالم نے سلسلۃ الاحادیث اور اس تقسیم کتب کے رد پر ایک مستقل کتاب ۴ جلدوں میں لکھی ہے جو ''**التعريف باوهام من قسّم السنن الى صحيح وضعيف بقلم محمود سعيد ممدوح**'' کے نام پر متحدہ عرب امارات میں طبع ہو چکی ہے۔جس طرح بعض بلاد عربیہ میں حافظ ابن تیمیہؒ کے حق میں غلو کر کے ان کو عملاً معصوم اور واجب التقلید سمجھا جاتا ہے۔اور ان کے فتاویٰ ہی پر عمل ضروری سمجھتے ہیں۔جس کے رد میں

''فتاویٰ ابن تیمیہ فی المیزان تالیف محمد بن احمد مسکة بن العتیق الیعقوبی'' کے نام سے بڑی معقول اوراہم کتاب متحدہ عرب امارات میں وزارت اوقاف کی طرف سے شائع ہوگئی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد خاص حافظ ابن قیم رحمھما اللہ تعالیٰ کی ولایت اور علمی وسعت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے لیکن ان کی کتابوں میں بعض باتیں جمہور علماء اہل سنت والجماعۃ کے مسلک کے خلاف ہیں جن کو غیر مقلدین بڑے شدومد سے اپنائے ہوئے ہیں۔

شیخ البانی نے مجھے ایک نجی مجلس میں کہا کہ ''آپ کیوں تقلید کرتے ہیں'' تو میں نے نہایت ادب واحترام کے ساتھ عرض کیا کہ ''میں عجمی شخص ہوں اور مجھے کتاب وسنت کے سمجھنے میں کسی عالم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے تو آپ نے فرمایا کہ ''یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ مردوں کی بجائے زندہ علماء کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے'' میں نے عرض کیا کہ ''تشریح اور استنباط اور مسائل جو پرانے علماء سے نقل ہیں وہ تو کتابوں میں زندہ ہیں وہ تو مرتے نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان پرانے علماء کی دیانت، تفقہ، تقویٰ اور للّٰہیت پر بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود تمام امت کا اتفاق ہے اور موجودہ زندہ علماء کی دیانت، تقویٰ اور للّٰہیت پر وہ اعتماد نہیں'' تو حضرت خاموش ہوگئے۔ دوسری نجی مجلس میں جب ہم مکتبہ نمنکانی بالمقابل باب الرحمۃ میں بیٹھے تھے، فرمانے لگے کہ بیس رکعات تراویح خلفاء راشدین سے نقل نہیں ہیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ ''خلفاء راشدین کا زمانہ ۴۰ھ پر ختم ہوجاتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کا زمانہ تقریباً سن ۸۰ھ سے شروع ہوجاتا ہے اور یہ چاروں امام بیس رکعات کے قائل اور حرمین شریفین والے بھی اسی بیس پر عمل کرنے والے ہیں۔ تو سن ۴۰ھ اور سن ۸۰ھ کے درمیان کونسی ایسی ہستی یا حکومت گزری ہے جس نے آٹھ رکعات سے بیس کرائی۔ اور تمام عالم اسلام نے اسے بغیر چون و چرا کے قبول کر کے اس پر عمل شروع کیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ مجھے معلوم نہیں'' تو میں نے

عرض کیا کہ یہ مقام تو خلفاء راشدین کو حاصل تھا کہ اُن کے مسائل پر عالم اسلام بلا چون و چرا متفقہ طور پر عمل پیرا ہو جاتے تھے۔

حضرت الشیخ میں یہ صفت تھی کہ وہ بحث ومباحثہ سے ناراض نہیں ہو جاتے تھے اور وسعت صدر کے ساتھ ریت پر بیٹھ کر ہمارے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ آج کل غیر مقلدین اندھی تقلید میں مبتلا ہیں، اور ائمہ اربعہ اور فقہ کے بارے میں بے ادبی کرتے ہیں، جبکہ وہ واقعی غیر مقلد تھے لیکن بے ادب نہیں تھے۔ افسوس کہ حضرت ۱۴۲۲ھ میں اردن میں جلاوطنی کے زمانہ میں راہی دار بقا ہو گئے۔ شام کی کمیونسٹ حکومت نے انہیں جلاوطن کیا تھا۔ وفات سے پہلے بعض سعودی علماء کی سفارش پر فیصل ایوارڈ سے نوازے گئے۔ ''رحمه الله تعالى رحمة واسعة واسكنه بحبوحة جنانه''۔

حضرت کی تصنیفات سلسلة الاحاديث الضعيفه والموضوعه ۴ جلد، صفة صلوٰة النبی ﷺ، تسديد الاصابة لمن يزعم نصرة الصحابة، رسالة في فضل الصلاة والسلام على سيد الانام جس میں صلوٰۃ وسلام کے صیغے ذکر ہیں، بعض کتب پر تخریجاتِ احادیث اور کتب سنن کی تقسیم صحیح وضعیف وغیرہ شائع ہو چکی ہیں۔

ایک دفعہ صفات متشابہہ کے سلسلے میں فرمانے لگے کہ ''ان کے معانی معروف اور معلوم ہیں اور کیفیت مجہول''۔ تو میں نے عرض کیا کہ مثلاً يد الله کا معنی مجھے معلوم نہیں، میں تو عجمی شخص ہوں مجھے يد الانسان اور يدالحيوان کا معنی معلوم ہے جس سے مراد ایک آلہ جارحہ ہے، جو گوشت اور پوست اور ہڈی اور چمڑے سے مرکب ہوتا ہے، جس پر بال بھی ہوتے ہیں اور اس میں پانچ انگلیاں اور ناخن بھی ہوتے ہیں۔ البتہ ہر یدِ انسان کی کیفیت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے تو مجھے یہی معنی يد کا معلوم ہے۔ اور يد الله کا معنی معلوم نہیں تو آپ براہ کرم يد الله کا معنی بورڈ پر لکھ دیجئے، تاکہ مجھے سمجھ آئے تو وہ لکھنے

کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفاتِ متشابہہ کے لغوی معانی تحت اللفظ ہم کر سکتے ہیں، لیکن اس کی تشریح اور وضاحت معانی معروفہ فی الخلق سے نہیں کر سکتے، اگر ان صفات کو معانی معروفہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کر لیں، تو اس سے تجسیم لازم آتی ہے اور کیفیت کی جہالت سے ہم تجسیم سے نہیں نکل سکتے۔ انسانوں میں ہر شخص کی کیفیات دوسرے سے مختلف رہتی ہیں، مگر نفس جسمیت میں سب شریک ہیں۔

محاضرات :

میرے دوسرے اساتذہ میں شیخ عبدالقادر ابن شیبۃ الحمد المصری، جو نحو پڑھاتے تھے۔ اور شیخ عطیہ محمد سالم المصری جو معانی پڑھاتے تھے۔ اور شیخ رمضان العراقی، شیخ محمد المجذوب الشامی، شیخ عمر الاشقر الفلسطینی، شیخ دکتور محمد عتر الحلبی، شیخ محمد بشر الاردنی، شیخ احمد مختار الشنقیطی، شیخ عبدالمحسن عباد النجدی، مختلف سالوں میں پڑھاتے رہیں۔ شیخ عبدالمحسن عباد ہمیں شرح عقیدۃ الطحاوی پڑھاتے تھے۔

پہلے سال کو جب شیخ صواف آ گئے، تو آپ کا محاضرہ ''توجیہ الاسلام الآباء والمعلمین فی تربیۃ الابناء'' کے موضوع پر رہا، یہ بدھ کی رات مورخہ ۱۱/۱۰/۲/۱۳۸۲ھ مطابق ۵/۳/۱۹۶۳ء تھی۔ آپ نے اس سلسلے میں صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین اور اسلامی تربیت کا اثر اور انگریزی استعمار کے گندے ارادوں، اور جامعہ بیروت اور جامعہ بغداد میں عرب نوجوانوں کو گمراہ کرنے کے طریقوں اور حربوں پر سیر حاصل اور تفصیلی بیان کیا۔

شیخ ابوالحسن علی الندویؒ نے پہلے سال کے محاضرہ میں، جو آپ نے بدھ کے دن ۲/ذی القعدہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۷/مارچ ۱۹۶۳ء کو دیا تھا۔ اُس میں آپ نے طلبا کو اصلاحِ ذات اور نفس پر بڑی توجہ دلائی تھی۔ آپ نے اُن لوگوں پر رد کرتے ہوئے اشارہ کیا۔ جو معاشرے کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں، مگر افراد کی فکر نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ جب

چالیس چور جمع ہو جائیں تو معاشرہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا، مگر یہ غلط ہے، چالیس چور جمع ہونے سے چوری کے زیادہ طریقے سامنے آئیں گے اور چوری بڑھ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کی صفت میں ''یعلمهم الکتاب و الحکمة'' کے ساتھ ''یزکیهم'' کا ذکر بھی کیا ہے، اگر صرف تعلیمِ کتاب وسنت کافی ہو جاتی تو ''یزکیهم'' کے ذکر کی حاجت نہ ہوتی۔ آپ ﷺ نے افراد سے شروع فرمایا، پھر اجتماعی کام ٹھیک ہوا۔ مولانا ندویؒ نے اس سلسلے میں تاریخی واقعات سنائے۔ آپ نے فرمایا کہ ''عالم کو خود زیادہ متقی اور خاشع بننا چاہیئے، اختلافی مسائل میں زیادہ اُلجھنا اپنی نفس کی اصلاح سے انسان کو غافل بنا دیتا ہے۔ آپ اتفاقی مسائل، پرعمل کرنے کی طرف مثلاً خشوع فی الصلاۃ پر زیادہ توجہ دیں۔ خاشع وخاضع اور اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہونے کی کوشش کریں۔ فروعی مناقشوں میں زیادہ نہ پڑیں۔ آپ امام احمدؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ کے علمی کارناموں سے واقف ہوں گے، لیکن اُن کی بلند اخلاق اور تواضع، خشیت الٰہی اور راتوں رات گریہ وزاری سے مصروف رہنے سے واقف نہیں ہوں گے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کو جب کوئی مشکل سامنے آجاتی، تو کسی خالی مسجد کی تلاش میں جا کر اور رورو کر دعا پڑھا کرتے ''اللهم یا معلّم ابراهیم علّمنی و یامفهم سلیمان فهّمنی'' دنیا کی ہوس اور رغبت نے علماء کو حقیر بنا دیا ہے اور لوگوں کی نظروں میں ''بہت سے'' گر گئے ہیں۔ آپ مثالی نمونہ بنیں''۔

اسی سال حج تمتع کی نیت سے ظہر کے بعد بدھ کے دن ۲۹رذوالقعدہ ۱۳۸۲ھ کو روانہ ہوا، اور جمعرات کی رات یکم ذوالحجہ کو مکۃ المکرمۃ پہنچ کر مناسک عمرہ کی ادائیگی سے مشرف ہوا۔ پہلا حج اپنے بڑے تایاجی حضرت مولانا رحمان الدین صاحبؒ کے ساتھ ادا کیا جو اس سال حج کے لئے تشریف لا چکے تھے۔ اُن کا حج حجِ قران تھا اور میرا تمتع۔ وقوف عرفات جمعۃ المبارک کے دن ہوا۔ جس کو عالم لوگ حج اکبر کہتے ہیں۔ تایاجی کے ساتھ

شریک سفر کراچی کے ضیاء الدین بمعہ اہلیہ، جو حضرت سید سلیمان ندویؒ کی بھتیجی تھی، اور موضع دوسہرہ چارسدہ کے دو احباب گل زمان اور اُس کے پھوپھی زاد بھائی تھے، جو تایا صاحب کی خدمت کیا کرتے تھے۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ واپس آیا۔ اور امتحانات کے قرب کی بنا پر امتحان کی تیاری میں مصروف رہا اور یہ حضرات اپنی باری کے مطابق مدینہ منورہ آئے۔ میں نے یونیورسٹی میں ان کی ضیافت بھی کی۔ پھر بروز ہفتہ ۲/محرم الحرام ۱۳۸۳ھ کو امتحانات شروع ہوگئے، اور بروز جمعرات ۷/محرم الحرام کو اختتام پذیر ہوئے، پھر ۱۷/محرم کو نتیجہ نکلا اور بندہ کل تین سو ساٹھ (۳۶۰) نمبروں میں (۳۲۲) نمبرات لے کر کلاس میں دوم رہے، جبکہ عبداللہ بن احمد قادری یمنی اوّل آئے۔ میرے حاصل کردہ نمبروں کی تفصیل درج ذیل ہے:

نام کتاب	کل نمبر	حاصل کردہ نمبرات
تفسیر	۴۰	۲۹
حدیث	۴۰	۳۰
توحید	۴۰	۳۸
اُصول فقه	۴۰	۳۸
فقه	۴۰	۳۴
نحو	۴۰	۳۹
انشاء	۴۰	۳۴
الادب	۴۰	۴۰
مطالعه	۴۰	۳۰
	کل حاصل کردہ نمبرات	۳۲۲

حفظِ قرآنِ کریم :

یہاں مجھے قرآنِ پاک حفظ کرنے کا شوق ہوا' یاد کرتا اور روزانہ کچھ حصہ قاری محمود بخاری کو سناتا رہا، جو حرم شریف میں پہلی صف میں بیٹھتے تھے اور اسی سال شیخ عطیہ محمد سالم مصری استاذ جامعہ سے مغرب کے بعد علم میراث میں ''منظومه رحبية'' بھی پڑھ چکے ہیں۔ حج کے ایام کے علاوہ قرآن مجید یاد کرنے کے لئے میں ریاض الجنة میں اسطوانة السرير کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ جو حضور پاک ﷺ کے سر مبارک کے قریب ہے، آدھا شباک ''پنجرے'' میں اور آدھا باہر جہاں حضور پاک ﷺ اور بعد میں عمر فاروقؓ اعتکاف بھی کر چکے ہیں۔ اور حضرت امام مالک بن انسؒ اسی کے ساتھ درسِ حدیث کے لئے بیٹھتے تھے۔ یہ اسطوانہ' اسطوانة الحرس اور اسطوانة الوفود کے درمیان واقع ہے۔ حج کے موسم میں مدینہ منورہ والوں کی عادت کے مطابق حرم شریف کے آخری حصہ باب ابراہیم کے کونے میں قرآن شریف حفظ کرتا رہا۔ اور اسی طرح سال ختم ہوتا رہتا تھا، کبھی کبھار برادرم محترم مولانا عبداللہ کا کاخیل مرحوم کو بھی سنایا کرتا تھا۔ جس نے ہمارے دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ میں اپنے والد کے ساتھ قیام کے دوران مولانا حافظ محمد ابرار صاحب آف پڑانگ سے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ برادرم موصوف بہت اعلیٰ قاری' خوش آواز اور پکے حافظ تھے۔ سادات خاندانی شرافت کے علاوہ' ظاہری حسن و جمال کے ساتھ نہایت مہمان نواز' خوش طبع اور متواضع انسان تھے۔ میرے خصوصی ہمسفر اور نہایت مشفق یارغار رہ چکے ہیں۔ افسوس کہ وہ عارضۂ قلب کی وجہ سے ۱۴۲۰ھ کو راہی دار بقا ہو گئے۔ ''رحمه الله تعالىٰ رحمةً واسعةً و افاض على ضريحه شآبيب مغفرته و رضوانه''۔

پہلا سالانہ امتحان اور نتیجہ کے بعد تایا صاحب کی خواہش اور والد بزرگوارم کے حکم پر اور ساتھیوں کی اصرار پر تعطیلات میں ساتھیوں اور تایا جی کے ساتھ بحری جہاز سے

عازم کراچی ہوا۔ جدہ سے روانگی سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے عمرہ کی توفیق سے مورخہ ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۸۳ھ کو مشرف فرمایا۔ مورخہ ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۷ر جون ۱۹۶۳ء روانہ ہوا، اور بروز اتوار یکم صفر ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۳ر جون ۱۹۶۳ء کراچی پہنچا، اور پھر ریل گاڑی سے اپنے تایا جی کے ساتھ جمعۃ المبارک کی رات کو مورخہ ۲۷ر جون ۱۹۶۳ء اپنے گھر چارسدہ پہنچا۔ **وللہ الحمد علی ذلک۔**

وطن میں تعطیلات گزارنے کے بعد کراچی بذریعہ ہوائی جہاز آیا اور کراچی سے سعودی ائر لائنز سے ۲۴ر ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۴ر ستمبر ۱۹۶۳ء جدہ ایئر پورٹ پہنچے۔ جمعۃ المبارک ۲۵ر ربیع الثانی کو عمرہ ادا کرنے گئے۔ اور پھر ہفتہ کی رات ۲۶ر ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۴ر ستمبر ۱۹۶۳ء مدینہ منورہ واپس آ گئے اور دوبارہ پڑھائی کے لئے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ پھر ایک عمرہ جمعرات کے دن ۱۶ر رمضان کو تنعیم سے کرنے گئے اور تیسرا عمرہ مقام جعرانہ سے بروز جمعہ ۱۷ر رمضان ۱۳۸۳ھ مطابق ۳۱ر جنوری ۱۹۶۴ء کی سعادت حاصل کرنے گئے، پھر دوسرے حج کے لئے ہفتہ کے دن ۶ر ذوالحجہ ۱۳۸۳ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۶۴ء بقصد تمتع روانہ ہو گئے۔ وقوف عرفات منگل کے دن ۹ر ذوالحجہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۱ر اپریل ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ پھر سالانہ تعطیلات میں وطن جانے سے پہلے بدھ کی رات ۲۰ر صفر ۱۳۸۴ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۶۴ء عمرہ کرنے گئے، اور پھر روانگی سے پہلے جدہ سے جمعہ کی رات ۲۲ر صفر کو دوبارہ عمرہ کرنے گئے۔

بحری جہاز جدہ سے پیر کے دن عصر کے وقت ۲۵ر صفر ۱۳۸۴ھ مطابق ۶ر جولائی ۱۹۶۴ء روانہ ہو گیا۔ اور مورخہ ۱۳ر جولائی کو کراچی اور ۱۷ر جولائی ۱۹۸۴ء کو پشاور پہنچا۔ تعطیلات گزارنے کے بعد دوبارہ کراچی پہنچا، اور کراچی میں بحرین کا اندراج کرا کر اور ویزا لے کر خلیج فارس کے راستہ برٹش اور انڈیا کی مشترکہ کمپنی کے بحری جہاز سے ۱۴ر اکتوبر

۱۹۶۴ء کو روانہ ہوگئے، چونکہ میرے پاسپورٹ میں ایران کا اندراج تھا اور اس وقت ایران کا بحرین پر دعویٰ تھا اور دونوں کا اندراج بیک وقت پاسپورٹ میں قانوناً نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے میں نے ایران کا نام اپنے پاسپورٹ سے ختم کرایا۔ اور اس کے متبادل بحرین کا اندراج کرایا۔ بحری جہاز سے کراچی سے خلیج فارس کے راستے ۱۴/ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو عازم بحرین ہوگئے، یہ بحری جہاز برطانیہ اور انڈیا کی مشترکہ کمپنی کا جہاز ہوتا تھا، جس میں سواریوں کے علاوہ سامان بھی ہوتا تھا، ممبئی سے بصرہ تک اس کا آنا جانا ہوتا تھا۔ جہاز میں ہندو، سکھ، مسلمان اور عرب کے علاوہ ہر قسم کی چیزیں بک جاتی تھیں، جس میں شراب بھی ہوتی تھی، اور ہندو، سکھ عورتوں کی آزادی بھی ہوتی تھی۔ میں نے پہلی بار سکھوں کو اپنی کتاب ''گرنتھ'' پڑھتے ہوئے اس جہاز میں دیکھے، یہ جہاز کراچی سے روانہ ہوکر گوادر، عُمان، دُبئی، قطر اور کویت کی بندرگاہوں پر ٹھہرتا رہا۔ جہاں پر ان ریاستوں کے لئے مال برداری اور مال رسائی ہوا کرتی تھی۔ ہم پیر کے دن ۱۹/ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو بحرین پہنچے۔ ہمارا قیام منامہ شہر کے ہوٹل میں ہوا، جو بحرین کا دارالخلافہ بھی ہے،، بحرین کئی جزیروں کا مجموعہ ہے، جو خلیج فارس کے درمیان میں واقع ہے۔ یہاں کی پیداوار میں کھجور، دریائی موتیاں اور ایرانی مصنوعات زیادہ مشہور ہیں۔ اس وقت یہ انگریزوں کا نو آبادشدہ جزیرہ تھا۔ میں نے پہلی بار ''منامہ'' کے ہوٹل میں ٹی وی دیکھی، جس میں اولمپک کھیلوں کا منظر پیش ہو رہا تھا۔ پھر منامہ سے بحری موٹر لانچوں کے ذریعہ سعودی عرب کی بندرگاہ ''الخبر'' پہنچے اس وقت موٹر لانچ کا کرایہ دس ریال اور سفر چار گھنٹے رہا۔ میں نے سنا ہے کہ آج کل ''الخبر'' سے بحرین تک دریا کے اوپر ایک عظیم پُل بنایا گیا ہے، جس پر ہر وقت دو طرفہ ٹریفک جاری ساری رہتی ہے، اس سفر میں ہمارے ساتھ برادرم ڈاکٹر عبدالرزاق اور ان کی دُلہن بھی تھی، جو اُسی سال وطن میں شادی کر کے ساتھ لے آئے تھے، پھر الخبر سے ہم ''دمام'' شہر پہنچے، جو تیل برآمد کرنے کا بڑا مشہور اڈہ ہے۔ پھر ''دمام'' سے ''ریاض'' شہر آئے۔ ریاض میں

ہوٹل میں قیام رہا۔اس وقت ریاض چھوٹا شہر تھا، جوآج کل عربی دنیا میں چوتھے نمبر کا شمار کیا جاتا ہے۔اس وقت ٹیکسی دس ریال فی گھنٹہ مل جاتی تھی، ہم ٹیکسی لے کر ریاض کے شہر میں سیر وسیاحت کرنے گئے۔شاہ سعود کا بنگلہ، جو اُس وقت چار میل مربع میں تھا اور شاہ فیصل کا مختصر بنگلہ، چڑیا گھر جہاں ہر قسم کے حیوانات ہوتے ہیں اور کالجز وغیرہ دیکھے۔پھر ریاض سے چونکہ مدینہ منورہ تک سڑک پکی نہیں تھی اور ریتلی صحراؤں سے گزرنا پڑتا تھا۔اس لئے ہر بس کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ہم نے جو بس کرایہ پر لے لی، اس کو اجازت ملی، پورے راستے میں تین منزل سامنے آئے، پہلی منزل کا نام ''عفیف'' تھا، دوسرے کا ''دوآدم'' اور تیسرے کا ''سویداء'' تھا۔وہ بھی مدینہ منورہ سے پینسٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔ان تینوں منازل میں معمولی قسم کے ہوٹل تھے، جن میں اونٹ کا گوشت اور بانجان جیسی ردی غذائیں اور پٹرول مل جاتا تھا۔آج کل عمدہ شاہراہیں اور دوطرفہ عمدہ سڑکیں بن گئی ہیں۔جو سعودی عرب کی ترقی اور دنیاوی کامیابی کی علامت ہے۔ہم جمعہ کی رات مورخہ ۲۳/اکتوبر ۱۹۶۳ء مطابق ۱۷/۶/۱۳۸۴ھ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور پڑھائی میں مصروف ہو گئے۔

جعرّانہ کی تفصیل :

ہمارے زمانہ میں جعرّانہ میں صرف ایک پرانی مسجد تھی جو نیپال کی ملکہ نے بنوائی تھی اور ایک چھوٹا باغ تھا۔جعرّانہ کا پانی اس زمانے میں بڑا مشہور تھا، سنا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے لئے ہدیہ کے طور پر جعرّانہ کا پانی شام لے جایا جاتا تھا اور حضور پاک ﷺ نے یہاں سے فتح حنین کے موقع پر عمرہ کا احرام باندھا تھا اور راتوں رات عمرہ کر گئے تھے۔

بروز جمعرات ۳/شعبان ۱۳۸۳ھ موافق ۱۹/دسمبر ۱۹۶۳ء کو ساعة المحاضرات میں شیخ عبداللہ القلقیلی مفتی المملکة الاردنیه الهاشمیه کا محاضرہ ہوا، جس کا موضوع طلباء کو نصیحت کرنا تھا۔محاضرہ کا خلاصہ یہ رہا۔

طلباء کو اوّل یہ فکر ہونی چاہئے کہ ایک اہم مقصد کے لئے گھر سے نکل کر اور قیمتی اشیاء اور آرام چھوڑ کر آئے ہیں، اور وہ ہے علم دین سیکھنا۔ دوسری فکر اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا ہے۔ طالب علم اپنے ذہن اور اپنی قابلیت اور عقل پر اعتماد نہ کرے، ورنہ اساتذۂ کرام کی باتوں پر توجہ نہ دے کر دنیا اور آخرت کے خسران میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور یہ مشاہدہ کی بات ہے۔ اساتذہ کرام کی باتوں کو غور سے سننا اور ان کا ازحد احترام کرنا علم کے لئے ضروری ہے۔ توکل کا مطلب یہ نہیں کہ صرف نماز اور دعا پر کفایت کیا جائے۔ بلکہ اس کے ساتھ اخذ باسباب العلم اور کوشش نہایت ضروری امر ہے۔ آپ نے یہ شعر پڑھا۔

و قل من جدّ فی امر یحاوله

و استعمل الصبر الا فاز بالصبر

اس لئے طالب علموں کے لئے اعتماد اور توکل علی اللہ کے ساتھ کوشش اور مجاہدہ کرنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا............ ؎

علی المرء ان یسعی الی ما نفسه

و لیس علیه ان یتم مطالبه

تیسری بات: علم کی آفات میں سے یہ ہے کہ طالب علم اپنے علم کی بجائے سیادت میں لگ جائے۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل سے غافل رہو بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ ان اُمور میں نہ پڑو جو آپ کے اختیار اور دائرۂ کار سے باہر ہیں۔ اسلام تو سیاست ہی پر قائم ہے۔ لیکن اس میں حصہ لینا ہر شخص کا کام نہیں۔ بعض طلباء کہتے ہیں ''کہ فلاں حاکم خائن اور ایسا ہے'' تو اگر آپ ان سے دلیل کا مطالبہ کریں تو ان کے پاس دلیل نہیں ہوتی۔ صرف اخباری بیانات پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ فراغت کے بعد میدان عمل میں جو کچھ کرنا چاہے تو آپ کو اختیار ہوگا۔ یورپ میں طالب علم سیاست میں نہیں پڑتا، اور وہاں پر ہر موضوع کے لئے مستقل اخبارات ہوتے ہیں الخ۔

دوسرے سال ہم تقریباً ۵۴ طالب علم سرکاری اخراجات پر حج کے لئے منتخب ہو گئے۔ چنانچہ بعض اساتذہ اور منتظمین کی نگرانی میں جامعہ کی بسوں میں ہفتہ کے دن ۶/ ذوالحجہ ۱۳۸۴ھ مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو گئے اور منیٰ میں اپنے کیمپ میں قیام رہا۔ وقوف حج بروز منگل ۹/۱۲/۱۳۸۴ھ مطابق ۲۱/اپریل ۱۹۶۴ء رہا۔ شیخ عبودی الامین العام (جنرل سیکٹری) امیر قافلہ تھے، اور شیخ ناصرالدین البانی احکام حج کے معلم رہے۔

دوسرے سال پھر سالانہ امتحان یہ ناچیز دوسرے نمبر پر آئے، جبکہ برادرم محترم عبداللہ بن احمد قادری یمنی اوّل آئے۔ میرے نمبرات کی تفصیل یہ ہے :

نام کتاب	کل نمبر	حاصل کردہ نمبر
تفسیر	۴۰	۳۹
مصطلح	۴۰	۳۴
حدیث	۴۰	۳۴
توحید	۴۰	۳۸
اصول فقہ	۴۰	۳۸
فقہ	۴۰	۳۵
نحو	۴۰	۳۸
انشاءعربی	۴۰	۴۰
ادب	۴۰	۳۷
سیرۃ	۴۰	۴۰
کل حاصل کردہ نمبرات		۳۶۰

☆☆☆☆☆☆☆

جامعہ میں تیسرا سال شروع ہوا اور حسب منہج دراسی پڑھائی کا آغاز ہوا، ایک دفعہ شیخ محمد بشر تونسی مدرس جامعہ زیتون (تونس) نے بطور مہمان آکر ساحۃ المحاضرات میں امانت کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ یہ پیر کا دن اور تاریخ ۱۳۸۴/۸/۳ھ تھی، محاضرے کا خلاصہ یہ تھا کہ امانت کی تین قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی امانت اور اپنے نفس کی امانت اور لوگوں کی امانت۔

پہلی قسم میں تمام اعضاء اور ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کرنا اور آپ کی نافرمانی سے بچا دینا داخل ہے۔ دوسری قسم میں نفس کے لئے دنیا و آخرت میں کام آنے والوں کو اختیار کرنا اور اس کی ضد خیانت ہے۔ تیسری امانت کا وسیع دائرہ ہے، جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ آیا ہوا ہے ’’ **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته** ‘‘ (الحدیث) اور آیت **ان اللّٰه لایغیر ما بقوم حتی یغیرو اما بانفسهم** ۔ (الآیہ) اور اس آیت میں ’’ **ان اللّٰه یامر کم ان تؤدوا الاما نات الی اهلها** ‘‘ (الایہ)۔

رمضان کی تعطیلات میں عمرہ کے لئے بدھ ۲۰/جنوری/۱۹۶۵ء کو مکۃ المکرمہ جا کر مناسک عمرہ ادا کئے اور پھر بروز جمعۃ المبارک ۱۳۸۴/۹/۲۰ھ کو مقام جعرانہ سے عمرہ کرنے گئے۔ پھر حج قِران کی نیت سے ۱۳۸۴/۱۲/۵ھ مطابق ۷/اپریل ۱۹۶۵ء مکۃ المکرمۃ چلے گئے۔ وقوف عرفات بروز اتوار ۱۱/اپریل ۱۹۶۵ء کو ہوا۔

سال کی آخر میں شیخ ابوالحسن علی ندوی کا محاضرہ بروز پیر ۱۳۸۵/۱/۱۰ھ مطابق ۱۹۶۵/۵/۱۰ء کو ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم دین کے لئے میدان عمل میں نکلنے سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ دنیا کی زینت اور عہدوں کی لالچ میں نہیں آنا چاہیے۔ ہر زمانے میں فساد کا دور رہا ہے، مگر اللہ نے اصلاح کے لئے عبقری شخصیتیں پیدا

کیں۔امام ابوالحسن اشعریؒ اور حسن بصریؒ وغیرہ جیسے لوگ آئے ہم تو امام احمدؒ اور ابن تیمیہؒ کی کتب دیکھتے ہیں لیکن ان کی راتوں کی عبادتوں سے بے خبر ہیں۔ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ''مصیبت کے وقت میں خالی مسجد جاتا ہوں اور اللہ سے رورو کر سوال کرتا ہوں''۔

میرا مقصد آپ کو تعلیم سے ہٹانا نہیں بلکہ بنیادی قوت اور عوامل روحانیہ کی طرف توجہ دلانا ہے۔اقبال کہتا ہے کہ وہ ادب جو دل سے نہیں نکلتا وہ ہدایت کے قابل نہیں۔ ''فالعصر یقتضی منکم الروحیة التی تحاربون بها المشاکل العصریه المتوجهة الیکم'' حضرت ندویؒ کے دیگر محاضرات میں سے ''النبوة والانبیاء'' ہوا جو کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔

پھر سالانہ امتحانات ۱۳۸۵ھ میں بندہ دوم رہا اور ۴۰۰ نمبرات میں سے ۳۷۰ نمبرات حاصل کر لئے اور برادرم عبداللہ بن احمد قادری یمنی حسب معمول اول رہے سالانہ تعطیلات میں عازم پاکستان ہو گئے۔جدہ سے روانگی سے پہلے بروز بدھ مورخہ ۲۴ رصفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۳ رجنوری ۱۹۶۵ء عمرہ کرنے گئے اور سرکاری ٹکٹ پر بذریعہ ہوائی جہاز کراچی آئے اور پھر ریل گاڑی سے پشاور پہنچے۔وطن میں تعطیلات گذارنے کے بعد پشاور سے راولپنڈی اور وہاں سے کراچی اور کراچی سے سعودی ائرلائنز کے ذریعے ریاض آ گئے۔یہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر اور اعمال عمرہ سے فارغ ہو کر بروز جمعۃ المبارک ۱۳ رجمادی الثانی ۱۳۸۵ھ مطابق ۸ راکتوبر ۱۹۶۵ء واپس مدینہ منورہ آئے۔

تقریب حفظ قرآن مجید :

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتابوں کے درس کے ساتھ ساتھ عصر کی نماز سے عشاء تک مسجد نبوی میں اور صبح کی نماز کے بعد چائے کے ناشتے تک جامعہ میں یہ فقیر حفظ قرآن میں مصروف رہتا تھا۔چنانچہ حج کے موسم کے علاوہ اسطوانة السریر کے ساتھ

ریاض الجنۃ میں اور حج کے دوران باب عمر بن الخطابؓ کے کونے میں حفظ قرآن میں مصروف اوقات رہتا تھا اور اس طرح پڑھائی کے ساتھ بروز بدھ ۲۹ رشعبان المعظم ۱۳۸۵ھ کو قرآن مجید حفظ کرنے سے فارغ ہوا اور اسی دن ظہر کے بعد فندق التیسیر مدینہ منورہ کے ہوٹل میں اپنے ساتھیوں اور دوستوں کے لئے عصرانے کا انتظام کرلیا۔عرب اور عجم کے ساتھی اس میں شریک ہوئے اور مہمان خصوصی حضرت مولانا شیخ اور مرشد عبد الغفور عباسیؒ رہے، جنہوں نے عصرانے کے بعد ایک مختصر تقریر اور پھر اختتامیہ دعا کرائی۔آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ رہا کہ ''ہر عبادت کی ایک روح ہوتی ہے اور عبادت کی روح شرعی علم ہے، جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی اور علم شرعی کی روح ذکر الٰہی ہے اور ذکر الٰہی کی روح اخلاص ہے''۔

پھر اسی رمضان میں، میں نے ایک بار قرآن شریف عام تراویح کے بعد ایک افریقی طالب علم حافظ کو سنایا۔محراب سلیمانی میں مسجد نبوی کے اندر اور پھر جب عمرہ کے لئے گئے تو وہاں ایک پنجابی حافظ کو تراویح میں سنایا۔۲۰ ر رمضان ۱۳۸۵ھ بروز منگل عمرہ کے لئے مکۃ المکرّمۃ چلے گئے تھے۔پھر دوسرا عمرہ جدہ سے کرنے گئے اور تیسرا عمرہ مقام جعرانہ سے مورخہ ۲۳ ر رمضان ۱۳۸۵ھ بروز جمعۃ المبارک کرنے گئے۔پھر حجِ اِفراد کے لئے پیر کے دن ۲ رذوالحجہ ۱۳۵۸ کو روانہ ہوگئے اور وقوف عرفات بروز بدھ ۹ رذوالحجہ ۱۳۸۵ھ ہوا اور پھر مدینہ منورہ واپسی پیر کے دن ۱۴ رذوالحجہ کو ہوگئی۔پیر کے دن ۲۶ رمحرم ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۶ رمئی ۱۹۶۶ء کو پڑھائی ختم ہوگئی جبکہ چار سال پہلے پیر کے دن ۱۶ رجمادی الاول ۱۳۸۲ھ کو پڑھائی شروع ہوگئی تھی۔

سالانہ امتحانات پیر کے دن ۱۷ رصفر ۱۳۸۶ھ موافق ۶ رجون ۱۹۶۶ء کو شروع ہوکر پیر کے دن یکم ربیع الاول ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰ رجون ۱۹۶۶ء کو ختم ہوگئے۔۳ ر ربیع الاول موافق ۲۲ رجون ۱۹۶۶ء کو نتیجہ نکلا اور بندہ نے بحمد اللہ تعالیٰ سب سے اول آکر ۴۰۰

نمبرات میں سے ۳۹۱ نمبرات حاصل کئے۔ جبکہ برادرم عبداللہ بن احمد قادری یمنی جو ہر سال اول آتے رہے اس سال وہ دوم رہے۔ اس کو ۳۸۴ نمبرات ملے۔ میرے حاصل کردہ نمبرات کی تفصیل یہ ہے :

نام کتاب	کل نمبر	حاصل کردہ نمبرات
تفسیر	۴۰	۳۹
مصطلح	۴۰	۴۰
حدیث	۴۰	۴۰
الفرق الاسلامیہ	۴۰	۳۸
اصول فقہ	۴۰	۳۹
نحو	۴۰	۳۹
بلاغت	۴۰	۴۰
المذاہب الاجتماعیہ	۴۰	۴۰
حاضر العالم الاسلامی	۴۰	۳۷
کل حاصل کردہ نمبرات		۳۹۱

وللہ الحمد والمنۃ علٰی ذلک۔

☆☆☆

مدینہ میں قیام کے چند فوائد :

مدینہ منورہ میں دورانِ درس جوار رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے علاوہ مزید بھی چند فائدے حاصل ہو گئے۔

۱: قرآن مجید کا حفظ، بخاری قاریوں سے بحمد اللہ ہوا۔

۲: چار بار مناسک حج، دو تمتع، قران، اِفراد اور کئی عمروں کی سعادت حاصل ہوئی۔

۳: مختلف المذاہب والمسالک کے علماء کرام سے استفادہ ہوا، اور ذہنی توسع ہوئی۔

۴: تاریخی مقامات اور مواقع غزوات دیکھ لئے جو قرآن وحدیث کے فہم میں معاون اور مدد ہیں۔ مثلاً بدر، اُحد، حنین، جعرّانہ، خیبر، طائف، ینبع، سیف البحر، وادی حلحول، جن کے لئے جامعہ کی طرف سے رحلات مقرر تھے۔ چند رحلات کا مختصر تذکرہ مندرجہ ذیل ہے۔

رحلۂ بدر :

پہلے سال شیخ ناصر الدین البانی کی قیادت میں بدر گئے تھے۔ وہاں پر موضع جنگ، مقبرہ شہداء، مسجد العریش، جبل حیان جس پر ملائکہ کا نزول ہوا تھا، اور جبال بنی غفار دیکھ لئے۔ جبل حیان کے دامن میں حضور پاک **علیہ الصلوٰۃ والسلام** بمع صحابہ کرامؓ جنگ سے پہلی رات قیام پذیر تھے، جو ''**العدوة الدنیا**'' کا مصداق ہے۔ بدر میں ایک مقامی بوڑھے شخص نے کہا کہ ''ہم ہر رمضان میں ۱۷ تاریخ کو جبل حیان کی طرف سے گھوڑوں کی آہٹ سنتے ہیں''۔

رحلۂ خیبر :

دو بار سرکاری رحلے پر ہم خیبر گئے تھے۔ وہاں پر ''حصن قموص'' کی دیواریں اب بھی موجود ہیں، جس سے حضرت صفیہؓ برآمد ہوئی تھیں۔ اور مشہور یہودی سپہ سالار مرحب حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے، دوسرے قلعوں کے نشانات اور راستے اب بھی موجود ہیں۔ خیبر مدینہ سے شمال کی طرف تقریباً ۱۶۳ کلومیٹر دور ہے۔ جبکہ بدر جنوب کی طرف ۱۵۳ کلومیٹر مکہ کے پرانے راستے پر واقع ہے۔ خیبر کا علاقہ ایک درہ نما علاقہ ہے، جو کھجور کی کاشت کے لئے مشہور ہے۔ اُس وقت خیبر ایک گاؤں تھا، جس میں ایک ہائی سکول، ایک مارکیٹ اور تقریباً ۱۵۰ مکانات تھے۔ جبکہ بدر میں جنگ کی جگہ کھجور کے باغات ہیں۔ اور

مسجد العریش بنی ہوئی نئی اعلیٰ مسجد تھی اُس وقت بدر ایک اڈہ تھا، جہاں چوکی بھی ہوتی تھی اور مختصر مکانات تھے، آج کل وہاں ایک شاندار بستی اور راستے بن گئے ہیں۔

رحلۂ وادی حلحول :

یہ مدینہ منورہ کے قریب شمال مشرق میں بارانی پانی کا بڑا تالاب ہے۔ تالاب کے ارگرد کافی درخت ہیں۔ جہاں لوگ شکار کے لئے جاتے ہیں، اور وہاں پر اینٹ بنانے کے کارخانے تھے۔ ایک دفعہ ایک عراقی غیر مقلد عالم نے وہاں پر ہم طالب علموں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''ترکوں سے خلافت اس لئے گئی کہ وہ نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھتے تھے'' اس غیر معقول بات پر مجھے اور بعض دوستوں کو کافی ہنسی آئی مگر خاموش رہے۔

رحلۂ سیف البحر اور ینبع کی بندرگاہ :

جو بدر سے مغرب کی جانب کافی فاصلے پر واقع ہے، ہم نے کیمپ جبال رضوی کے قریب لگایا تھا، جہاں پر پانی کا ٹیوب ویل تھا۔ اور لوگ اونٹوں پر کافی مسافت سے پانی لینے کے لئے آتے تھے۔ تین دن تک ہم وہاں رہے، رحلات میں اساتذۂ کرام کے علاوہ ڈاکٹر اور خیمے ور جنریٹر چلانے کے لئے خادم بھی ساتھ ہوتے تھے۔ بھیڑیوں کے خطرہ کی بنا پر ساتھی نمبر وار رات کو مسلح پہرہ دیا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ سفر میں جامعہ کی طرف سے پکانے کے لئے دنبے بھی ہوتے تھے۔ جن کی وجہ سے ہمیں بھیڑیوں کا خطرہ رہتا تھا۔ رحلات میں رحلة بركة الزبير اور رحلة الغابة بھی شامل ہیں جہاں پر جنگی علاقے ہیں عکل اور عرینہ قبائل نے آنحضرت علیہ السلام کے چرواہوں کے ساتھ رہ کر پھر غدر کر گئے تھے۔

رحلات میں علمی مباحث کے ساتھ ساتھ رسہ کشی اور بندوقوں سے نشانہ بازی بھی ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ یہ ناچیز اور مولانا عبداللہ کاکاخیل کا سفر طائف کی طرف بھی ہوا تھا۔

جہاں پر باغ عتبہ، مسجد عداس، جہاں عداس مسلمان ہو گئے تھے اور اس کی طرف آیہ شریفہ میں اشارہ ہوا ہے۔ **لسان الذین یلحدون الیه اعجمی وهذالسان عربی مبین** (الایہ) (حم السجدہ) مسجد الکوع اور مسجد الخبز بھی دیکھی تھیں۔ شاہی مسجد ابن عباسؓ ہے جہاں پر وہ اور محمد بن الحنفیہؒ دونوں حضرات دفن ہیں۔ **رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم**۔

دورانِ قیام ہم تین ساتھیوں (مولانا عبدالرازق، مولانا عبداللہ کاکاخیل اور یہ ناچیز) نے ایک دفعہ مدینہ منورہ میں حضرت مولانا عبدالغفور عباسیؒ کے معتکف کے قریب اعتکاف کیا۔ **والحمد للّٰہ علیٰ ذلک**۔

شام اور فلسطین کا سفر :

حجاز مقدس کے بعد شام اور فلسطین کی مبارک سرزمین دیکھنے کی خواہش تھی۔ چنانچہ جامعہ اسلامیہ سے فارغ التحصیل ہو کر وطن آنے سے قبل اپنے ہم درس رفیقان محترم مولانا سید عبداللہ کاکاخیل اور ڈاکٹر مولانا عبدالرزاق صاحب کی معیت میں ایک ماہ کے لئے اردن شام، اور لبنان کے ویزے حاصل کرنے کے لئے جدہ چلے گئے۔ وہاں پر تینوں ملکوں کے ویزے آسانی سے مل گئے اور آدھی قیمت پر ٹکٹ بھی مل گئے۔ چنانچہ سعودی عرب کے مقامی وقت کے مطابق صبح سوا چار بجے بروز منگل ۵/ جولائی ۱۹۶۶ء کو ہمارا جہاز مدینہ ائرپورٹ سے عمان کے لئے روانہ ہوا۔ (شام کے سفر کے بعض واقعات میں نے اپنے رفیق سفر مولانا سید عبداللہ کاکاخیل کے مضمون سے لئے ہیں۔ جن کے اوراق مجھ سے گھر میں بچوں کی وجہ سے ضائع ہو گئے) یہ دوانجنوں والا چھوٹا جہاز تھا۔ سوار ہوتے وقت جہاز کا ہوا باز ہم نے دیکھا۔ اس کی شکل وصورت سے ہمیں یہ شبہ ہوا کہ یہ انگریز ہے کیونکہ اس وقت عام طور پر سننے میں آتا رہتا کہ سعودی طیاروں کے ہوا باز زیادہ تر امریکن یا یورپین ہوتے ہیں۔ دینی جذبے کو سامنے رکھ کر اس تفکر میں محو ضرور ہوا کہ اس مقدس

سرزمین مہبط وحی پر ایک غیر مسلم کو قدم رکھنے کا موقع کیوں دیا جارہا ہے؟ جبکہ وہاں کے شرعی قانون میں غیر مسلموں کے لئے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر اس کی وجہ ملکی ہوابازوں کا کم ہونا ہوتو اسلامی ممالک سے ہواباز طلب کرنے سے بھی تو یہ کمی پوری کی جاسکتی ہے۔ میں اس تصور میں محو تھا کہ اتنے میں جہاز کے لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا'' کہ چند لمحوں بعد ہمارا جہاز مدینہ ایئرپورٹ کو چھوڑنے والا ہے یہ جہاز سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑان کر کے دو گھنٹے چالیس منٹ میں عمان پہنچے گا۔ جہاز کے ہواباز کا نام محمد اکرم ہے۔'' ہواباز کا اسلامی نام سن کر بڑی خوشی ہوئی، دینی جذبات کا تقاضہ یہی تھا کہ حرمین کی یہ مقدس اور پاک سرزمین ایسے ناپاک قدموں سے ملوث نہ ہو۔ رہا اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف اور دلیل کے اعتبار سے کسی پہلو کا راجح اور مرجوح ہونا تو اس سے اس وقت ہمارا کوئی سروکار نہیں۔ جہاز چونکہ کم بلندی پر پرواز کررہا تھا، اس لئے نیچے کا منظر کافی حد تک صاف نظر آرہا تھا۔ مدینہ سے عمان تک پورا راستہ سنگلاخ وادیوں اور خشک پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔

ابھی دو گھنٹے نہیں گزرنے پائے تھے کہ ہمارا جہاز ''تبوک'' کی بستی کی اوپر پرواز کرنے لگا۔ جہاز کے ایک ملازم نے ہمیں بتایا کہ یہ ''تبوک'' ہے۔ اس وقت اس تصور میں ڈوب جانا ایک طبعی امر تھا کہ یہ طویل مسافت جو ہم نے چشم زدن میں طے کرلی، صحابہ کرامؓ کے زمانے میں کتنا شاق اور جان گداز سفر تھا۔ حجاز کی تڑپانے والی گرمی، مسافت کی اس دوری اور پھر سنگلاخ وادیوں اور خشک ریگستانوں کے خطرناک سفر نے غزوۂ تبوک کو کتنا مشکل بنایا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ بہت سے منافقوں کا نفاق اس میں ظاہر ہوا، اور کئی مسلمان اس کی وجہ سے ابتلاء میں پڑ گئے، لیکن یہ صحابہ ہی کا مقام تھا کہ دین حنیف کی خاطر وہ اتنی عظیم قربانیاں پیش کر گئے، ان کا عشر عشیر بھی اگر آج کے مسلمان پیش

کر دیں، تو ان کے حالات کچھ سے کچھ ہو جائیں۔

جہاز اعلان کے مطابق بالکل ٹھیک وقت پر عمان کے ائرپورٹ پر اُترا۔ جہاز سے اُترنے کے لئے سیڑھی پر پہلا قدم رکھ کر اس شہر کی تہذیب اور تمدن کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہم لگا سکے۔ ایئرپورٹ پر بہت سے لوگ اپنے خویش واقارب کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ لباس سب کا انگریزی تھا، مرد کوٹ پتلون اور عورتیں بدترین قسم کا عریاں لباس پہنے ہوئے کھڑی تھیں۔ ایسے ماحول میں ہم لباس اور وضع قطع کے اعتبار سے اوپرے معلوم ہو رہے تھے۔ لیکن ہماری اس وضع قطع نے ائرپورٹ پر ہمیں فائدہ ضرور پہنچایا۔ کسٹم والوں نے ہمارے سامان کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ حالانکہ وہاں تفتیش میں سختی ہونے کی وجہ سے مسافروں کا بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔ یہ محض ہمارے پاکستانی ہونے کا اعزاز تھا۔ اور ہمارا لباس پاکستانی ہونے کا ایک ظاہری ثبوت تھا۔

ائرپورٹ سے ایک شاندار ٹیکسی پر سوار ہو کر ہم شہر گئے۔ وہاں کے ڈرائیور نوواردوں کو ٹھگنے میں بڑے مشہور ہیں۔ نصف دینار سے کم کرایہ لینے پر ڈرائیور رضامند نہ ہوا حالانکہ اصل کرایہ ربع دینار سے زیادہ تھا، ڈرائیور کا یہ سلوک مجھے زیادہ نامانوس بھی معلوم نہ ہوا، کیونکہ خود ہمارے ملک میں بھی بہت سے دوکاندار، ڈرائیور اور نیچے طبقے کے دوسرے لوگ نوواردوں کی ناواقفیت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے میں کمی نہیں کرتے۔

فندوق النصر الجدید میں ہم نے قیام کیا۔ یہ ایک متوسط درجہ کا ہوٹل تھا اور عمان کی مشہور جامع مسجد "المسجد الحسینی" کے قریب واقع تھا، تین چارپائیوں کا کمرہ ہم نے تیس قرش کی چارپائی کے حساب سے نوے قرش میں لے لیا (اردنی دینار میں سو قرش ہوتے ہیں، اور دینار ایک سٹرلنگ پونڈ کے برابر ہوتا ہے)۔ یہاں کے معمولی اور متوسط ہوٹلوں میں اپنے ریسٹورنٹ کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ البتہ ہوٹل کے منتظمین وقت پر طعام مہیا کرنے پر

مکلف ضرور ہوتے تھے۔ چنانچہ ہماری اس قسم کی خدمت عماد نامی ایک فلسطینی کے سپرد رہی جو کہ چھٹی جماعت کا طالبعلم تھا اور گرمیوں کی تعطیلات میں ہوٹل میں ملازمت کر رہا تھا۔

عماد کی طرح غاصب یہودیوں کے مظالم کے شکار بے شمار سکول کے دوسرے فلسطینی لڑکے بھی فارغ اوقات میں اسی قسم کی معمولی ملازمت کرتے تھے۔ ان میں سے بہت سے بچوں کے والدین کسی وقت اپنے ملک میں عزت، آرام اور راحت کی زندگی بسر کر چکے ہوں گے، لیکن آج اُن کا آرام اور راحت مفقود تھا اور وہ پیٹ پالنے کے لئے اپنے بچوں سے اسی قسم کے معمولی کام کرانے پر مجبور تھے۔ جیسا کہ آج کل مجبور ہیں، لاکھوں کی تعداد میں دھکیلے ہوئے ان ستم زدہ مہاجرین کی زبانِ حال مسلمانانِ عالم سے اپیل کر رہی تھی کہ وہ رنگ ونسل اور ملک ووطن کے فوارق سے بالاتر ہوکر اسرئیل کے وجود کو جو عالم اسلام کی قلب میں ناسور کی طرح دکھتا ہے، صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے متحد ہو جائیں۔

عصر کی نماز ''مسجد الحسینی'' میں پڑھ کر ہم ''دار الاخوان المسلسین'' میں گئے۔ چند اخوانی حضرات نے جو مکتبہ میں مطالعہ کر رہے تھے ہمارا اچھا استقبال کیا اور طویل خوش آمدید کے بعد پاکستان کے حالات دریافت کئے۔ ان کے سوالات زیادہ تر پاکستان میں دینی سرگرمیوں کے بارے میں تھے۔ تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی سے وہ متعارف تھے۔ دونوں جماعتوں کے افکار ونظریات طریقۂ کار اور اس کے عملی نتائج سے بھی وہ کافی حد تک واقف تھے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں دوسرے دینی اداروں اور جماعتوں کے بارے میں انہوں نے دریافت کیا۔ ہم نے خاص طور پر اپنے ملک کے اسلامی مدارس کے نظام سے ان کو متعارف کیا کہ ''اس وقت ملک کے دونوں حصوں میں ہزار سے زائد اسلامی مدارس کام کر رہے ہیں۔ یہ مدارس اہل خیر کے تبرعات پر چلتے ہیں، حکومت کی طرف کسی قسم

کی مالی امداد قبول کرنا ان کے مزاج اور اصول کے خلاف ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ مدارس تعلیم و تربیت کے نظام میں بالکل دینی مناصب سنبھالتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے ان مدارس کے ذریعہ ملک میں دین کی ایک عظیم خدمت انجام پائی جارہی ہے''۔

اخوانی حضرات سے جب ہم نے دریافت کیا کہ کیا اردن میں ان کو مکمل طور پر آزادی حاصل ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ''ظاہری عنوان تو آزادی کا ہے لیکن حکومت جماعت کی ہر حرکت و سکون پر کڑی نگرانی رکھتی ہے۔ اور ''اخوان'' سے کسی قسم کی ہمدردی ہرگز نہیں ہے۔ البتہ ''اخوان'' سے حکومت کو یہ فائدہ ضرور ہے کہ اشتراکیت اور شیوعیت کا مقابلہ کرنے میں اخوانی تحریک سے اس کو مدد مل رہی ہے۔ اور اسی مصلحت کی خاطر ان کو تھوڑی بہت آزادی حاصل ہے''۔ اخوانی حضرات نے شربت وغیرہ پیش کر کے ہماری خاطر تواضع کی۔ اس کے بعد رابطۃ العلوم اسلامیہ کے دفتر میں جانے کے لئے ہم نے اجازت طلب کرلی۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب رہنمائی کے لئے ہمارے ساتھ ہوگئے۔ رابطہ کے صدر تیسیر الظبیان صاحب کے نام ہمارے جامعہ کے ایک مخلص دوست عبدالعزیز اسعد نے خط دیا تھا۔ یہ خط ہم نے تیسیر الظبیان صاحب کو دیدیا۔ بظاہر اس میں ہمارا تعارف تھا۔ ظبیان صاحب بڑی خوش تپاکی سے پیش آئے۔ عربی قہوہ سے ہماری ضیافت کی، مغرب تک ہم ان کے ساتھ مصروف گفتگو رہے۔ تیسیر الظبیان صاحب نے رابطہ کے مقاصد سے ہمیں متعارف کرتے ہوئے کہا کہ ''رابطۃ العلوم الاسلامیہ'' ۱۹۵۱ء میں وجود میں آیا۔ اس کی تاسیس کا مقصد عربی زبان کی نشر و اشاعت، دین حنیف کی دعوت کو عام کرنا، عصر حاضر کے الحاد کا مقابلہ اور نئی روشنی کے نوجوانوں کے اخلاقی معیاروں کو بلند کرنا ہے۔ علاوہ ازیں اجتماعی طبی امداد اور کئی دوسرے شعبوں میں مسلمانوں کی خدمت کرنا بھی رابطہ کے مقاصد میں داخل ہے، ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے رابطہ نے جو

طریقۂ کار اختیار کیا ہے، اس میں وقتاً فوقتاً مختلف علمی موضوعات پر محاضرات کا بندوبست بھی شامل ہے۔ چنانچہ آج بھی مغرب کی نماز کے بعد رابطہ کے دفتر میں اسی سلسلے کا ایک محاضرہ "حقوق المراۃ فی الاسلام" کے موضوع پر ہوگا۔ محاضر کا نام شیخ محمد علی زعبی ہے، جو لبنان کے مشہور محقق عالم ہیں۔ تیسیر الظبیان صاحب کے تقاضا پر ہم نے محاضرہ سننے کے لئے مغرب کی نماز کے بعد دوبارہ رابطہ کے دفتر میں آنے کا وعدہ کرلیا۔ محاضرہ کی اکثر باتیں میرے نزدیک تو عام اور متبذل قسم کی تھیں لیکن حاضرین جو جدید تعلیم یافتہ نوجوان تھے۔ تقریباً ہر بات پر واہ واہ اور تحسین کی آوازیں بلند کرتے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً جوش میں آکر تالیاں بھی بجاتے تھے۔ ویسے زعبی صاحب کا طرزِ زندگی اور طریقۂ تفہیم نہایت مؤثر اور جاذب تھا۔

بطور مثال زعبی صاحب نے شرعی قانون میراث میں عورت کا حصہ مرد کے حصے کے نصف ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہا "کہ شریعت نے مرد کو اپنے اہل وعیال کے نفقہ کا ذمہ دار بنایا ہے اور عورت پر اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ عورت جب تک باپ کے گھر ہوتی ہے، تو وہ اس کے اخراجات کا ذمہ دار ہوتا ہے اور جب شوہر کے گھر چلی جاتی ہے تو وہ اس کا اور اس کی اولاد کا نفقہ مہیا کرنے پر مکلف ہوتا ہے۔ اس لئے عدل و انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ مرد کا حصہ ترکہ میں عورت کے حصہ سے زیادہ ہو"۔ اتنے سے نکتے کو حاضرین نے بہت سراہا اور داد و تحسین کی آوازیں بلند کردیں۔

زعبی صاحب نے محاضرہ جاری رکھتے ہوئے ایک قاعدہ بیان کیا کہ "اسلام نے بہت سے اُمور میں عورت کی ترکیب جسمی کا بھی خیال کیا ہے، چنانچہ عورت کو بعض ان تکالیف پر مکلف نہیں بنایا گیا، جو اس کی ترکیب جسمی کے منافی ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے جہاد کا ذکر کیا کہ عورت کی ترکیب جسمی کے پیش نظر عدل وانصاف کا تقاضا تھا کہ اس پر

جہاد فرض نہ کیا جائے، اور شریعت نے ایسا ہی کیا، لیکن اگر عورت اپنی مرضی سے جہاد میں شرکت کرنا چاہے تو شریعت اس کو روکتی بھی نہیں، چنانچہ حضرت فاطمہؓ اور چند دوسری صحابیاتؓ کا میانِ جہاد میں موجود ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ جہاد میں مردوں کے دوش بدوش لڑنا چاہے تو شریعت میں اس پر کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن میرے علم کی رسائی کے مطابق، بعض صحابیاتؓ کا غزوات میں جانا زخموں کی مرہم پٹی اور ان کو پانی پلانے اور اس قسم کی دوسری خدمات کے لئے ہوا کرتا تھا۔ عملی طور پر عورت کا جنگ میں حصہ لینا ثابت نہیں۔

اختتام محاضرہ پر زعبی صاحب نے خصوصی مجلس میں ہمیں خوش آمدید کہا، پاکستان اور اہل پاکستان کے بارے میں اچھے تأثرات کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ شعبی کی روایت سے ایک حدیث میری نظر سے گزری ہے، جس کی سند کی مجھے تحقیق نہیں ہے، اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ''ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ عرب دین سے برگشتہ ہو جائیں گے، اور ان کو صحیح راہ پر لانے کے لئے عجم ان کے ساتھ لڑنے آئیں گے'' انہوں نے تواضع کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میرے خیال میں وہ زمانہ قریب آ رہا ہے کہ ہمیں درست کرنے کے لئے عجم ہمارے ساتھ برسر پیکار ہوں اور کوئی بعید نہیں ہے کہ یہ پاکستان کے عجم ہوں''۔

مدرج رومانی :

اس دن ہم ''مدرج رومانی'' دیکھنے گئے۔ ''مدرج رومانی'' عمان میں رومانی عہد کا مشہور قدیمی اثر ہے۔ یہ اس زمانے کا ایک تھیٹر تھا، جو پہاڑ کے دامن میں ایک بہترین محل وقوع پر واقع ہے۔ گول دائرے کی شکل میں اس کی چڑھتی ہوئی سیڑھیاں بیک وقت چھ ہزار سے زائد تماشائیوں کے لئے کافی ہیں۔ اس زمانے میں ''مدرج'' کو بعض خصوصی جلسوں اور اجتماعات کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ عمان پہنچنے سے ایک دن قبل اس میں رابطۃ العلوم الاسلامیہ کی طرف سے سیرۃ النبی ﷺ کا جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس مدرج

کے اطراف وجوانب میں پہاڑ کو تراش کر رومیوں نے جو مکانات بنائے تھے، ان کو محکمہَ آثارِ قدیمہ والوں کے استعمال میں لایا جارہا تھا، ہم ان دفاتر میں بھی گئے، اصحابِ کہف کے غار جس کا حال ہی میں محکمہ نے انکشاف کیا تھا، سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مدیر محکمہ کے فنی مساعد، رفیق وفاء الدجانی صاحب سے ملنے کا خاص طور پر شوق تھا، لیکن سوءِ اتفاق سے وہ ''نابلس'' گئے ہوئے تھے، محکمہ کے دوسرے ملازمین نے ہمیں دیکھ کر عربی عادات کے مطابق بڑے گرم جوشی سے **اهلًا و سهلًا مرحبا بالضيوف الكرام** کے کلمات بار بار دہرائے۔ ہمیں بٹھایا اور بڑی عزت، اکرام اور تواضع سے پیش آتے ہوئے ہمارا شکریہ ادا کیا، کہ ہم نے یہاں آکر ان کو ملاقات اور خدمت کا موقعہ دیا۔ ایک عیسائی خاتون اس استقبال میں سب زیادہ پیش پیش تھی، اس نے پوچھا کہ آپ شربت پینا پسند کریں گے یا چائے، ہم نے اول تو معذرت کی، لیکن بالآخر ان کے مسلسل اصرار سے مجبور ہوکر شربت پینا قبول کیا، حکومت کی طرف سے اس محکمہ کے ملازمین کو زائرین کے ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ پیش آنے کی خصوصی ہدایات تھیں۔ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو بھی اس قسم کے اُمور اور فرائض سونپنے کی وباء سارے اسلامی ممالک کو لپیٹ میں لے چکی ہے۔ جس کا سبب مغرب کی حیوانی تہذیب کی اندھی تقلید ہے۔

اصحابِ کہف کا غار :

رفیق وفاء الدجانی صاحب کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اس غار سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے ان کی تالیف کردہ کتاب ''**اكتشاف كهف اهل الكهف**'' جو ہمیں دجانی صاحب کے دفتر سے دستیاب ہوگئی کے مطالعہ کرنے پر اکتفا کرلیا۔ نیز محکمہ کے دوسرے ملازمین نے بھی کچھ ابتدائی معلومات فراہم کیں۔

یہ غار عمان سے پانچ میل کے فاصلے پر ''رجیب'' نامی بستی کے قریب واقع ہے

''قریہ سحاب'' کو جانے والی بسیں اس کے قریب سے ہوتے ہوئے گزرتی ہیں۔ ہم ٹیکسی پر سوار ہوکر غار پہنچے تو چوکیدار غار کا دروازہ بند کر کے کہیں چلا گیا تھا۔ اس کے گھر والوں نے دور سے ہمیں دیکھا، اور چند منٹوں میں اس کی دو چھوٹی بچیاں چابی لے کر پہنچ گئیں۔ اور ہمارے لئے غار کا دروازہ کھول دیا۔ یہ کافی کشادہ غار تھا۔ اس کے اندر چند مصلّے اور قرآن مجید رکھے گئے تھے۔ ہم نے دو رکعت نماز نفل پڑھی اور قرآن مجید کی ان آیتوں کی تلاوت کی جن میں اصحابِ کہف کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اس موقع پر ان آیات کی تاثیر سے قلب کی کیفیت دگرگوں تھی۔ واقعی اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے ان بندوں کو جنہوں نے باطل کے مقابلہ میں حق پر ڈٹ کر خرقِ عادت صبر واستقامت کا ثبوت دیا ہے، ایسے ہی خرق عادت انعامات و اکرامات سے نوازا ہے۔ اس غار کے اوپر ایک مسجد ہے۔ یہ مسجد مسلمان بادشاہوں نے نصرانی معبد کی جگہ بنوائی ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید نے ''لنتخذن علیھم مسجدا'' کے الفاظ میں کیا ہے۔ غار چونکہ جنوب رُو ہے، اس لئے دھوپ اس میں داخل نہیں ہوسکتی اور یہی وہ صفت ہے جو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

و تری الشمس اذا طلعت تزاور عن کھفھم ذات الیمین وا ذا غربت تقرضھم ذات الشمال۔

اور تو دیکھے سورج جب نکلتا ہے تو بچ کر جاتا ہے، ان کی کوہ سے داہنے کو اور جب ڈوبتا ہے کترا جاتا ہے ان سے بائیں کو۔

دجانی صاحب نے اپنی کتاب ''اکتشاف کھف اھل الکھف'' میں اس غار کی فنی کھدائی کی وہ پوری داستان قلمبند کی ہے، جس کی روشنی میں آثار قدیمہ کے یہ ماہرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اصحابِ کہف کے غار کے محل وقوع کے بارے میں جو متعدد روایات تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں صحیح روایت وہی ہوسکتی ہے، جو اس غار کا

محل وقوع عمان کے قرب وجوار میں بتلاتی ہے، شہر افسوس ترکیا یا بعض دوسرے مقامات میں اصحابِ کہف کی طرف منسوب جو غار پائے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی غار ایسا نہیں ہے، جس کا اکتشاف اتنی علمی تحقیق اور ایسی فنی بحث وتنقیب پر مبنی ہو، بلکہ اس کے برعکس ان غاروں میں بعض وہ ضروری علامات بھی مفقود ہیں، جن کا اصحاب کہف کے غار میں از روئے قرآن پایا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ دجانی صاحب نے دقیق علمی تقابل کرتے ہوئے کئی وجوہ سے کہف افسوس وغیرہ کا غار اصحاب کہف کا ہونا تحقیق کے خلاف ثابت کیا ہے۔

قلعہ عمان اور اس کا عجائب خانہ :

عمان کے قابلِ دید مقامات میں سے ایک عمان کا قدیم ترین قلعہ ہے، یہ قلعہ گو زیادہ دور نہیں، لیکن سہولت کے لئے ہم ٹیکسی میں سوار ہو کر گئے۔ یہ شہر کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کے اردگرد تمام اطراف میں سوائے شمال جانب کے خندق کھدی ہوئی ہے، نیز اس کے اردگرد پہاڑیوں پر کھنڈرات پائے جاتے ہیں جو بظاہر ان سلسلہ وار قلعوں کے اجزاء ہیں، جو ہر کی حفاظت اور دفاع کے لئے اس کے اوّلین بانیوں "عمونیوں" نے تعمیر کرائے تھے۔

عمان کا عجائب گھر اسی قلعہ میں واقع ہے، اس عجائب خانہ میں ارضِ اردن کی وہ قدیمی آثار رکھے گئے ہیں، جو ماہرین آثار کی مسلسل کوششوں کے بعد یہاں دریافت ہوئے ہیں۔ ان آثار میں مختلف عہدں کے سکے، کتبے، نقوش، مجسمے، بدترین حیوانات کی ہڈیاں اور دوسری کئی چیزیں پائی جاتی ہیں، عجائب گھر میں بہت ہی قدیم زمانے کی ایک قبر بھی منتقل کر دی گئی ہے، جس سے اس زمانے کی تدفین وتکفین کی رسوم وتقالید پر روشنی پڑتی ہے، یہ قبر ایک گنبد نُما کمرے کی شکل ہے، جس میں خاندان کے کئی افراد چھوٹے بڑے اور مرد وزن یکے بعد دیگرے دفن کر دیئے گئے ہیں، مردے کے سامنے ایک میز پر اس کی خوردو

نوش کا سامان پڑا ہوا ہے، خورد ونوش کی ان چیزوں میں خاندان کے افراد کے مراتب کے اعتبار سے تفاوت کا خیال رکھا گیا ہے، ماہرین آثار نے یہ بوسیدہ بلکہ کاک شدہ ہڈیاں اور قبر کی دوسری چیزیں عجائب گھر میں منتقل کر کے بالکل اسی ترتیب کے ساتھ اصل قبر کا ماڈل بنوا کر اس میں رکھ دی ہیں۔

بحرمیت کے مخطوطات :

عجائب خانہ کے عجائبات میں ہم نے بحرمیت کے مخطوطات بھی دیکھے، آج سے دو ہزار سال قبل کے یہ مخطوطات علمی دنیا میں بڑی قدر و قیمت رکھتی ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے مختلف ملکوں میں متعدد بار ان کی نمائش کرائی گئی ہے۔ اور اب بھی وقتاً فوقتاً مختلف مناسبات میں ان کی نمائش ان ملکوں میں کرائی جاتی ہے۔

ان مخطوطات کے اکتشافات کا قصہ بھی عجیب ہے، ایک چرواہا اپنی گمشدہ بکری کی تلاش میں بحرمیت کے کھنڈرات کے قریب ایک پہاڑ کا چکر لگا رہا تھا، چلتے چلتے وہ ایک ایسی چٹان پر جا پہنچا جس کے نیچے ایک بڑا غار تھا۔ چرواہے نے ایک پتھر اُٹھا کر اس غار میں پھینک مارا، اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کو ایسی آواز سنائی دی جیسا کہ کوئی مٹکا ٹوٹ گیا ہو، وہ اس گمان پر کہ اس نے کسی قیمتیں خزانے کا سراغ لگا لیا، خوشی کے مارے کپڑوں میں نہیں سمایا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو پکارا، وہ آئے اور اس کے ساتھ غار میں داخل ہو گئے۔ چرواہے کا اتنا خیال تو صحیح ثابت ہوا کہ غار میں کوئی مٹکا موجود ہے، لیکن مٹکے میں بھرا کیا تھا؟ نہ سونا نہ چاندی یہ چمڑے کے پرانے اور بوسیدہ ٹکڑے تھے، جو چرواہے اور اس کے ساتھیوں کے لئے کسی کام کے نہ تھے، ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر گیا، اور انتہائی مایوسی کی عالم میں واپس چلے گئے۔ حکومت کو اس بات کا علم ہوا اور یہ جگہ اپنی حفاظت میں لے لی، ماہرین آثار کو بلایا گیا، چمڑے کے یہ بوسیدہ کپڑے جو چرواہے نے

کسی قیمت کے بھی نہیں سمجھے، ماہرین آثار کے لئے سونے چاندی سے بڑھ کر قیمتی خزانہ ثابت ہوا۔ انہوں نے اس کے قرب وجوار میں دوسرے غاروں کی کھدائی کر کے مزید اس قسم کے بیش بہا تاریخی مخطوطات کا سراغ لگالیا۔ ان مخطوطات میں سے کچھ بطور نمونہ قدس اور کچھ عمان کے عجائب خانوں میں رکھ دیئے گئے۔

عمان کی دل شکن فضا :

خیال تھا کہ عمان میں چار پانچ دن ضرور رہیں گے لیکن شہر کے اہم اور قابل دید مقامات دیکھنے کے بعد ہمارے لئے اُنس کا کوئی سامان باقی نہیں رہا اور یہاں کی فضا سے طبیعت کچھ مکدر سی ہوگئی، یہاں کی فحاشی اور عریانی تو کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کا اندازہ ہم پہلے سے نہ لگا سکے تھے جس چیز نے ہمیں زیادہ دل برداشتہ کیا، وہ یہاں کے لوگوں کا ہمارے لباس اور داڑھیوں کو نہ صرف تعجب کی نگاہ سے دیکھنا بلکہ ایک گونہ مذاق اُڑانا تھا، ہم نے بارہا محسوس کیا، کہ یہ لوگ ہمیں دیکھ کر ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرنے لگتے تھے، بسا اوقات بچے مذاق کے طور پر مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیتے تھے۔ گویا ہم اپنے لباس اور چہروں پر داڑھی سجانے کی وجہ سے ایک عجیب وغریب نمونہ کے انسان تھے جو ان کے شہر میں وارد ہوئے تھے۔

داڑھی کے ساتھ یہاں کے لوگوں کا یہ معاملہ دیکھ کر مجھے جامعہ کے ایک اردنی دوست کی ایک بات یاد آ گئی۔ ایک دفعہ مدیر تعلیم نے اس کو ڈانٹ کر کہا کہ "تمہیں اگر یہاں رہنا ہے تو داڑھی ضرور رکھنی پڑے گی" اس نے جواب میں کہا کہ "جامعہ کے نظام کا احترام کرتے ہوئے میں داڑھی رکھ لوں گا لیکن ایسی داڑھی کا آخر کیا فائدہ؟ جو موسم گرما کی تعطیلات میں عمان کے ائرپورٹ ہی پر دوبارہ مونڈھ لی جائے اور یہ اس لئے کہ اردن کی فضا میں ہمارے لئے داڑھی رکھ لینا ممکن نہیں"۔

ایک پُر لطف مجنون سے واسطہ :

عمان شہر میں داڑھی کے اس شدید فقدان کے باوجود آج جب ہم ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد جا رہے تھے تو ذرا دور سے ایک داڑھی والا شخص فٹ پاتھ پر خراماں خراماں آتا ہوا نظر آیا، ہم خوش تھے کہ برادری کا ایک آدمی تو مل گیا، لیکن آدمی جب قریب آیا تو اس کی چال ڈھال اور بری حالت سے صاف عیاں تھا کہ وہ پاگل ہے، پاگل بھی کس لطف کا پاگل تھا، اس نے بالکل قریب آ کر جب ہمیں دیکھا تو بڑی متانت اور سنجیدگی کے انداز میں ہمیں مخاطب کر کے کہا : **مرحبا یا مجانین** (خیر سے آئے دیوانے) اور یہ کہہ کر رفتار جاری رکھتے ہوئے استغراق کے عالم میں اسی طرح ڈوبا ہوا چلا گیا، اس مجنون نے ہمیں مجنون کیوں سمجھا؟ غالباً اس لئے کہ لباس پوشاک اور وضع قطع کے اعتبار سے اس نے ہمیں شہر کے دوسرے لوگوں سے مختلف پایا ...... ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنون کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

قدس کو روانگی اور دریائے اردن پر عبور :

ایسی فضا سے دلبرداشتہ ہو کر ہم نے آج ہی قدس (یروشلم) جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اور ظہر کی نماز پڑھ کر اس مبارک شہر کے لئے رخت سفر باندھا جو مکہ اور مدینہ کے بعد کئی اسلامی مقدسات کو اپنی آغوش میں لینے کی وجہ سے مسلمانانِ عالم کا مرکز توجہ ہے۔ عمان سے قدس تک کا راستہ ہم نے بس پر سوار ہو کر کوئی ڈیڑھ گھنٹے میں طے کیا۔ دریائے اردن کو ہم نے عبور کیا یہ وہ دریا ہے جس کا پانی موڑ کر اسرائیلی مزید لاکھوں یہودیوں کو درآمد کرنے کے لئے خشک صحرا کو آباد کرنے کا انتظام کر رہے ہیں، اردن کی زمین کو سیراب کرنے کے

لئے اب اس میں بہت تھوڑا پانی رہ گیا ہے، اسرائیلی حکومت اپنی مجرمانہ سکیم کو پایہ تکمیل پہنچانے کے لئے مسلسل کئی سال تک مصروفِ عمل رہی۔ عرب ممالک پر یہ بات اچھی طرح عیاں تھی۔ عربی صحافت لگاتار چیختی رہی، عرب ممالک کا ریڈیو اور خاص کر قاہرہ ریڈیو مسلسل دھمکیاں سناتا رہا۔ جب کام قریب الاختتام ہونے لگا، تو بڑے پیمانے پر قاہرہ میں عرب سربراہوں کی کانفرنس بلائی گئی۔ اس مسئلہ کو خفیہ اور علانیہ اجلاس میں خاص طور پر اُٹھایا گا۔ سارے عوام اس اُمید سے وابستہ تھے کہ گرجنے والے کبھی تو برسیں گے بھی، لیکن نتیجہ اس سے زیادہ نہ نکلا کہ ''نشستند و گفتند و برخاستند''۔

بحیرۂ لوط :

قدس جاتے ہوئے ذرا دور سے ''بحیرہ لوط'' نظر آیا۔ کہا جاتا ہے کہ لوط علیہ السلام اور اس کی قوم اس بحیرہ کے قریب آباد تھی، اس بحیرہ کا علمی اور مشہور نام بحرمیت ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس میں مچھلیاں اور دوسرے جاندار نہیں پائے جاتے، اس بحیرہ میں معدنیات اور کیمیاوی مواد کا عظیم ذخیرہ پوشیدہ ہے، جس کی مالیت ماہرین کے تخمینے کے مطابق اربوں روپے تک پہنچتی ہے، ان قدرتی ذخائر کو کام میں لانے کے ابتدائی تجربے کے طور پر عرب ممالک کی موافقت سے ایک کارخانہ قائم کردیا گیا تھا، جس نے ابتدائی کام شروع کیا تھا، بحرمیت کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ دنیا میں سطح سمندر سے سب سے نیچی جگہ ہے، شام چار بجے کا وقت تھا کہ ہماری بس قدس پہنچ گئی، بسوں کے اڈوں پر مزدور اچک اچک کر ہمارا سامان اُٹھالینا چاہتے تھے، یہ مزدور زیادہ تر کمسن فلسطینی لڑکے تھے۔ ایک دو بچوں نے بغیر کہے ہمارا سامان بس کی چھت سے اُتار دیا، جب ہم نے ان کو تصرف پر ڈانٹا تو ان میں سے ایک نے کہا :

نحن اهل القران مثلکم. (ہم آپ کی طرح قرآن والے یعنی مسلمان

ہیں)اس بچے کا لب ولہجہ اس مختصر جملے کی شرح خود کرر ہا تھا، اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم اور آپ ایک اسلام کے رشتہ میں منسلک ہیں، اس لئے ہم اپنے ہم پیشہ اہل انجیل یعنی عیسائی مزدور بچوں کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہیں، کہ آپ کام کا موقع دیکر ہماری مدد کریں، اس بات سے ہم نے نتیجہ نکالا کہ قدس میں مسلمان اور عیسائی اس طرح مل کر رہتے ہیں کہ بسا اوقات تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ اور خود مسلمان ظاہر کرنے کے لئے اس تصریح کی ضرورت پڑتی ہے کہ ''میں مسلمان ہوں''۔

انہی دونوں بچوں سے سامان اُٹھوا کر ہم ''**فندق الهاشمی** '' گئے حرم سے قریب تر ہوٹل یہی تھا، لیکن اس اضافی قرب کے باوجود یہ حرم سے کم از کم دوڈھائی فرلانگ کے فاصلہ پر تھا، بازار اور اس کے بعد تنگ گلیوں سے گزر کر حرم جانا پڑتا تھا، ہم نے پونے دینار میں تین چار پائیوں کا کمرہ کرایہ پر لے لیا، اور ذرا ستانے کے بعد حرم روانہ ہو گئے۔

حرم اور اس کے مقدسات :

حرم کا اطلاق چاردیواری کے اندر اس وسیع علاقے پر ہوتا ہے جس میں مسجد الاقصیٰ، مسجد صخرہ، جدار براق، حبس سلیمان، اصطبل سلیمان اور کئی دوسری چیزیں واقع ہیں، حرم کے چودہ دروازے ہیں، جن میں سے بعض کھلے رہتے ہیں، ہم جس دروازے سے داخل ہوئے، وہ بطل حریت مولانا محمد علی جوہرؒ کی قبر کے قریب واقع ہے، ہم نے مرحوم کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگیں، اور اس کے بعد مسجد اقصیٰ کے اندر چلے گئے۔

مسجد اقصیٰ :

جس مقام کی عظمت اور قدر قلب میں جاگزیں ہوتی ہے، اس کو پہلی بار دیکھ کر عموماً دل پر ناقابل بیان کیفیت طاری ہوتی ہے، یہ کیفیت اگر میرے قلب پر آج سے چار

سال قبل خانہ کعبہ اور روضہ مطہرہ کی اولین زیارت سے طاری ہوتی تھی تو آج مسجد الاقصیٰ میں داخل ہو کر طاری ہوگئی تھی۔ آقائے نامدار محمد ﷺ کا رات کے ایک محدود حصہ میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس پہنچ جانا اور پھر یہاں سے ہفت آسمان کی سیر کرتے ہوئے سدرۃ المنتہی پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا تاریخ اسلام کا کتنا عظیم باب ہے، جو اس خطۂ ارض سے وابستہ ہے، اسراء اور معراج کی پوری داستان مجسمہ بن کر یہاں نظر آنے لگی تھی۔

مسجد صخرۃ:

عصر کی نماز مسجد اقصیٰ میں پڑھ کر ہم مسجد صخرہ گئے۔ یہ مسجد اقصیٰ کے تقریباً بالمقابل اس چٹان کے اردگرد مثمن شکل میں واقع ہے، جس کا ذکر قصۂ معراج کی بعض روایات میں آتا ہے۔ مسجد صخرہ کی عمارت باجماع مؤرخین دنیا کے خوبصورت ترین عمارتوں میں سے ایک ہے۔ یہ اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ۷۲ھ میں تعمیر کرائی تھی، مصر کا خراج مسلسل سات سال تک اس کے لئے وقف رہا۔ عمارت مکمل ہوجانے کے بعد ایک لاکھ دینار اس فنڈ سے بچ گئے، جو اس مسجد کے اخراجات کے لئے مخصوص کردیے گئے تھے، خلیفہ نے ان دیناروں کو ڈھال کر اس کی چادریں مسجد کے گنبد اور دروازوں پر چڑھا دیں۔ صلیبی لڑائیوں میں جب قدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا، تو یہ مسجد انہوں نے گرجے میں تبدیل کردی۔ صلاح الدین ایوبیؒ نے جب قدس کو آزاد کرایا تو مسجد صخرہ سے عیسائی اثرات کو ختم کر کے اس میں کئی اصلاحات بھی کرادیں۔ اس کے بعد مختلف ادوار میں ملوک وسلاطین اس میں حسب ضرورت اصطلاحات کرتے چلے گئے۔ یہاں کہ ۱۹۴۸ء کی جنگ فلسطین میں یہودی توپوں کی زد میں آنے کی وجہ سے مسجد کی دیواروں اور ستونوں کو کافی نقصان پہنچا، چنانچہ ان آخری اصلاحات کے لئے اعلیٰ سطح پر ایک بین الاقوامی مجلس قائم کردی گئی، اور تمام عرب اور اسلامی ممالک کی مشاورت سے اردن کے بادشاہ شاہ حسین

کے عہد میں اصلاحات پایہ تکمیل تک پہنچی۔

جبس سلیمان اور اصطبل سلیمان :

مسجد صخرہ کے بعد ہم جبس سلیمان اور اصطبل سلیمان دیکھنے گئے۔عوام کا عقیدہ ہے کہ جبس سلیمان وہ جیل خانہ ہے، جس میں سلیمان علیہ السلام نافرمان جنوں کو قید کر کے سزا دیا کرتے تھے، اور اصطبل سلیمان میں سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے باندھے جاتے تھے، یہ اصطبل تنگ و تاریک زمین دوز گلی کی شکل میں ہے، اس کی دیواروں میں بہت ہی طویل و عریض اور وزنی پتھر لگے ہوئے ہیں، عوام کا خیال ہے کہ اتنے بڑے بڑے پتھر جنات ہی کے ذریعہ ان دیواروں میں لگائے جاسکتے ہیں۔

کنیسة القیامة :

آج ہم نے کنیسۃ القیامۃ دیکھا، یہ عیسائیوں کا وہ مقدس گرجا گھر ہے، جس میں ان کے حسب عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر موجود ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر اُٹھائے جانے سے قبل چودہ مراحل سے گزرے تھے، جن میں آخری مرحلہ صلیب اور اس کے بعد قبر کا ہے، یہ مراحل چونکہ زیادہ تر اسی کنیسہ کی زمین پر پیش آئے، اس لئے اس کنیسہ کو سب مسیحی فرقوں کے نزدیک ایک خاص شرف اور قداست حاصل ہے، ہر مسیحی فرقہ نے اس کے ایک مخصوص اور محدود حصے کی خدمت اپنے ذمہ لے لی ہے۔کنیسہ کے مختلف حصوں میں چودہ مراحل کی من گھڑت داستانوں کو تصاویر اور مجسموں کی صورت میں ظاہر کرایا گیا ہے۔

جامع عمرؓ :

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ جب قدس میں تشریف لائے تھے، تو انہوں

نے منجملہ دوسرے مقامات کے ''کنیسہ القیامہ'' بھی دیکھا، حضرت عمرؓ نے جب نماز پڑھنے کے لئے کنیسہ سے باہر نکلنا چاہا، تو کنیسہ کے پادریوں نے کہا ''آپ یہاں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں''، لیکن حضرت عمرؓ نے کنیسہ میں نماز پڑھنا گوارا نہیں کیا اور فرمایا ''مجھے خطرہ ہے کہ مسلمان اس فعل کو حجت بنا کر کنیسہ میں عبادت کو اپنا حق سمجھنے لگیں گے''۔ چنانچہ باہر نکل کر کنیسہ سے چند قدم کے فاصلہ پر انہوں نے نماز پڑھی۔ اس جگہ پر بعد میں مسجد بنا دی گئی، وہ ''جامع عمرؓ'' کے نام سے معروف ہے۔

معہد اسلامی :

اس کے بعد معہد اسلامی دیکھنے گئے، یہ معہد حرم کی حدود میں واقع ہے اور بظاہر اردن میں یہ واحد ثانوی اسلامی مدرسہ تھا، معہد کے مدیر اور اساتذہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ہمیں معہد کے نصاب اور طریقہ تعلیم سے متعارف کراتے ہوئے کہا، کہ ہم نے جدید اور قدیم دونوں علوم کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس میں کافی حد تک کامیاب رہے، ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ ان سے کہیں، کہیں اسی معہد کے سند یافتہ طالب علم ہمارے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں شریک تعلیم رہے ہیں، ان میں سے ہم نے کوئی ایک بھی ایسا نہیں پایا جو جدید یا قدیم علوم میں مہارت تو کیا معمولی صلاحیت بھی رکھتا ہو، ہم نے بھی اپنے ہاں کے اسلامی مدارس کے نصاب اور نظام تعلیم سے ان کو متعارف کیا، ان کو یہ معلوم ہو کر انتہائی تعجب ہوا کہ ہمارے مدارس کا فارغ التحصیل طالب علم بہت سی کتابوں کے علاوہ ہدایہ اور صحاح ستہ کی اکثر کتابیں شروع سے لے کر آخر تک پڑھ چکا ہوتا ہے۔ مدیر معہد نے عربی قہوہ سے ہماری ضیافت کی اور اس کے بعد نماز جمعہ کے ہم مسجد اقصیٰ روانہ ہو گئے۔

بیت المقدس میں علم دین کی اس حالت زار کو دیکھ کر مجھے امام غزالیؒ کا قصہ یاد آیا، میں نے سنا ہے، کہ امام غزالیؒ جب بیت المقدس آئے تو اس وقت یہاں پر دو سو علماء

تدریس میں مشغول تھے، امام غزالیؒ روئے اور فرمایا کہ ''افسوس علم پر ایسا زوال آیا، کہ بیت المقدس میں درس کے صرف دو سو حلقے پائے جاتے ہیں''۔ امام غزالیؒ نے اپنے وقت میں دو صد حلقہ ہائے درس کو کم سمجھا اور روئے، اور آج صحیح معنوں میں ایک بھی حلقۂ درس یہاں نظر نہیں آتا تھا، لیکن دین کی اس حالت زار پر کوئی رونے والا نہیں، جمعہ کی نماز ہم نے مسجد الاقصیٰ میں پڑھی، خطیب نے خطبہ میں شاہ حسین کی درازی عمر اور بقاء سلطنت کے لئے دعائیں مانگیں، اور مؤذن نے بآواز بلند آمین کہا، یہ دعائیں سنکر یوں محسوس ہونے لگا، کہ ہم اس قدیم زمانے میں ہیں، جس میں بادشاہ وقت کی درازی عمر اور بقاء سلطنت کے لئے دعائیں مانگنا جمعہ کے خطبوں کا جزوِ لاینفک تھا۔

جمعہ کی نماز کے بعد مصطفیٰ ابوطیر سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ یہ قدس کے قریب ''صور باہر'' نامی بستی کا باشندہ تھا اور جامعہ میں ہمارا ساتھی رہ چکا تھا۔ ان کی معیت میں ہم نے حرم کے بعض مقدسات دوبارہ دیکھے، مسجد اقصیٰ کی بعض تفصیلات جو ہم معلوم نہیں کر سکے تھے، انہوں نے بتلادیں، چنانچہ اقصیٰ قدیم، محراب زکریا، جامع عمرؓ اور جدار براق وغیرہ کی نشاندہی انہوں نے ہی کردی، ابوطیر صاحب یہ وعدہ کرکے چلے گئے کہ کل آکر وہ ہمیں خلیل الرحمٰن اور بعض دوسرے مقامات کی زیارت کرائیں گے۔

خلیل الرحمٰن :

مصطفیٰ ابوطیر صاحب حسب وعدہ صبح ہوٹل آئے اور ان کی معیت میں ہم مدفن انبیاء خلیل الرحمٰن دیکھنے گئے، یہ شہر بیت المقدس کے جنوب مغرب میں بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بقول ابن بطوطہ کے اس کا رقبہ کم مگر قدرومنزلت زیادہ، مناظر حسین وجمیل اور معنویات بڑی عجیب وغریب ہیں۔

اسرائیل کی نام نہاد حکومت قائم ہونے سے قبل خشکی کے راستہ جانے والے مسافر

خلیل سے بیر سبع ہوکر غزہ اور قاہرہ جایا کرتے تھے، خلیل سے غزہ تک کی مسافت جو ساٹھ میل سے زیادہ نہیں ہے، بس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دو گھنٹوں میں طے ہو جاتی تھی، لیکن آج جبکہ فلسطین کے ان اجزاء پر یہودیوں کا قبضہ ہے، خلیل سے غزہ جانے والے مسافر بیت المقدس جاکر قاہرہ کیلئے ہوائی جہاز پر سوار ہوکر دو گھنٹے میں قاہرہ پہنچ کر وہاں سے بذریعہ ریل گاڑی کم از کم آٹھ گھنٹے میں صحراء سینا کو عبور کر کے غزہ پہنچتے ہیں، گویا جو مسافت ربع دینار سے دو گھنٹے میں طے ہوتی تھی، وہ آج پچیس دینار اور گیارہ گھنٹے سے کم میں طے ہونا ممکن نہیں تھا۔

خلیل کے باشندے دینداری، خوش خلقی اور قدامت پسندی میں مشہور ہیں۔ حرم ابراہیمی کے ان پاسبانوں نے اب تک شہر میں سینما قائم نہیں ہونے دیا ہے، گرجے کا اس شہر میں کہیں نام ونشان نہیں، بلکہ جہاں تک ہم نے سنا ہے اور بعض معتبر سفر ناموں میں پڑھا بھی ہے کہ خلیل دیار اردن میں واحد شہر ہے، جہاں سرے سے عیسائی یا کسی دوسرے غیر مسلم باشندے کا وجود نہیں ہے، ویسے ''مجلة العربی'' کے نمائندے عیسائی باشندے یہاں موجود تھے لیکن ان کی تعداد بہت قلیل یعنی صرف ایک سو بیس تھی۔

خلیل میں مغربی تہذیب کے آثار کم نظر آتے تھے، عورتیں پردے میں تھیں، سکولوں اور کالجوں کی خواتین نے بھی اپنی بود وباش میں آبائی روایات کو بالکلیہ نظر انداز نہیں کیا تھا، ان تعلیم یافتہ خواتین نے اپنے لئے ایک خاص طرز کا لباس اختیار کیا تھا جو قدیم بندشوں سے ایک گونہ آزاد اور جدید عریانی سے خالی تھا۔

حرم ابراہیمی :

شہر خلیل کے ایک نشیبی مقام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے زوجہ حضرت سارہؓ بیٹے حضرت اسحاق، پوتے حضرت یعقوب علیہم السلام، ان کی زوجات اور حضرت

یوسف علیہ السلام کی قبور واقع ہیں، اہل علم کا کہنا ہے کہ اس وقت دنیا میں انبیاء کرام کی طرف منسوب جو قبریں پائی جاتی ہیں، ان میں نبی کریم ﷺ کے روضۂ مطہرہ کے بعد ثبوت وتواتر کے اعتبار سے دوسرا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مبارک کی ہے، ان قبور کے اوپر جو مسجد بنی ہوئی ہے، وہ حرم ابراہیمی کہلاتی ہے، اصلی قبور نگاہوں سے اوجھل ہیں، زائرین لکڑی کی اس مصنوعی قبروں کے پاس کھڑے ہوکر سلام عرض کرتے ہیں، جو مسجد کے فرش پر اصلی قبور کی نشاندہی کے لئے ان کے اوپر محاذاۃ میں بنی ہوئی ہیں، سلام و دعا کے بعد حرم ابراہیمی میں بیٹھ کر ہم نے قرآن مجید کی تلاوت کی۔

ظہر کی نماز حرم ابراہیم میں پڑھ کر ہم بیت اللحم روانہ ہوگئے اور ہمارے قلوب خلیل کی ظاہری، معنوی برکات اور باشندوں کے تدین اور اخلاق سے نہایت متاثر تھے۔

قریہ حلحول :

ٹیکسی کے ڈرائیور سے طے ہوا تھا کہ بیت اللحم جانے کے لئے وہ قریۂ حلحول کا راستہ اختیار کرے گا۔ حلحول میں حضرت یونس علیہ السلام کی طرف منسوب قبر پائی جاتی ہے، جس کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ میں کیا ہے، خادم قبر کے پاس یہ سفر نامہ موجود تھا۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ ہم عربی جانتے ہیں، تو اس نے ازخود کتاب اٹھا کر فوراً متعلقہ عبارت سنادی، اس کا مقصد شاید یہ تھا، کہ ہمارے دل میں اس قبر کے ثبوت کے متعلق شبہات اگر ہوں تو وہ دور ہوجائیں، حالانکہ اس قسم کی یقین دہانی کے لئے ایک طالب علم کے نزدیک ابن بطوطہ کا قول کب سند بن سکتا ہے؟ بہت ہی مختصر سلام ودعا کے بعد ہم بیت اللحم روانہ ہوگئے۔

بیت اللحم :

تین بجے کا وقت تھا کہ ہم بیت اللحم پہنچے، یہاں کا مشہور قابل دید مقام کنیسۃ

المہد ہے، تو تاریخی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت پر بنا ہے مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیارِ قدس کے سفر میں کنیسۃ القیامۃ کی طرح یہ کنیسہ بھی دیکھ کر نماز پڑھنے کے لئے باہر نکلے، اور یہ فرمان صادر فرمایا، کہ کوئی مسلمان اس میں عبادت اور کسی قسم کا تصرف نہ کرنے پائے، اس کنیسہ کے جو پادری اور بطریق ہم نے دیکھے، وہ زیادہ تر یونانی نسل کے تھے، جو کافی عرصہ سے اس کنیسہ کی خدمت کے لئے یہاں آ کر آباد ہوئے تھے، یہ عربی بول سکتے تھے لیکن بہت ہی معمولی اور ناقص۔ اور اس کی وجہ غالباً رہبانیت کی زندگی اور اہل بلاد سے کم اختلاط ہوتا تھا، ایک پادری نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں کنیسہ کی تفصیلات سے متعارف کراتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت کی نشاندہی کرائی، اس کے بعد اس نے اوپر والے کمرے میں یہ کہہ کر ہمیں بھیجا، کہ وہاں جا کر قرآن دیکھ لو، ہم حیران تھے کہ قرآن مجید کنیسہ میں کہاں سے آیا؟ جب کمرہ میں ہم داخل ہوئے تو وہاں انجیل کے مختلف مخطوط نسخے نمائش کے لئے رکھے گئے تھے، بظاہر اس بے چارے کا یہ خیال تھا کہ ہم پاکستانی انجیل یا بائبل کے لفظ سے آشنا نہ ہوں گے، چنانچہ ہماری سہولت کی خاطر اور ذہنی بوجھ سے بچانے کے لئے اس نے یہ تعبیر اختیار کر لی تھی، تھوڑی دیر تک اس ظلمت کدہ میں رہ کر ہم باہر نکلے اور جامع عمر میں عصر کی نماز پڑھی، ہمیں چونکہ رات واپس قدس پہنچنا تھا، اس لئے بیت اللحم کے دوسرے قابل دید مقامات مثلاً **حقل الرعاۃ** ، **قبر راحیل** اور **مغارۃ اللبن** وغیرہ کو چھوڑ کر صرف **کنیسۃ المہد** دیکھنے پر اکتفا کر لیا۔

اریحا :

اتوار کی صبح ہم دیار فلسطین کے قدیم ترین تاریخی شہر اریحا کے لئے روانہ ہو گئے، رہنمائی کے لئے ابوطیر صاحب اس سفر میں بھی ہمارے ساتھ تھے، اریحا بیت المقدس کے

شمال مشرق میں پچیس میل کے فاصلے پر بحر میت کے قریب واقع ہے، یہ اردن کا گرم ترین علاقہ شمار ہوتا ہے، چنانچہ اردن کے اہل ثروت حضرات موسم سرما گزارنے کے لئے عموماً یہاں آتے ہیں، یہ شہر چھوٹا مگر بہت خوبصورت ہے، اس کے اطراف و جوانب میں عین سلطان، عین قرنطل اور بعض دوسرے چشمے بہنے کی وجہ سے ہر طرف شادابی ہی شادابی ہے۔ خوشبودار پھول، لمبے اور خوبصورت درخت، لہلہاتے ہوئے کھیت اور سرسبز و شاداب باغات بکثرت نظر آتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد نبوت میں بنی اسرائیل کو جس شہر میں جھک کر داخل ہونے کا حکم ملا تھا، وہ اکثر مفسرین کے نزدیک یہی شہر اریحا ہے۔

ضریح موسیٰ علیہ السلام :

اریحا کے قرب و جوار میں من جملہ کئی قابل دید مقامات کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب قبر مبارک بھی ہے۔ جو عربی اصطلاح میں ضریح موسیٰ کہلاتی ہے۔ یہ قبر چونکہ شاہراہ سے کافی برطرف واقع ہے، اس لئے اسپیشل ٹیکسی کے علاوہ وہاں پہنچنے کے لئے سواری کا دوسرا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ نصف دینار میں ٹیکسی لے کر ہم اس مبارک ضریح پر پہنچے۔ یہ آبادی سے دور پہاڑوں کے وسط میں ایک اونچی جگہ پر واقع ہے، اس کے ساتھ ایک چھوٹی مسجد تھی۔ مسجد اور قبر دونوں کو ایک قلعہ نما فوجی چوکی احاطے میں لی ہوئی تھی، قبر اور مسجد کی درمیانی دیوار پر عربی میں یہ عبارت نقش تھی، کہ ''یہ مقبرہ سلطان ابوالفتح ببرس کے حکم سے ۶۸۶ھ میں جب وہ حج سے واپسی پر یہاں آیا تھا' بنایا گیا''۔

قصر ہشام :

دعا سلام سے فارغ ہوکر اسی ٹیکسی پر مزید ربع دینار دیکر ہم قصر ہشام دیکھنے گئے۔ یہ قصر ہشام بن عبدالملک نے سردی کے ایام گزارنے کے لئے یہاں تعمیر کرایا تھا، یہ

اریحا سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے۔ اس کے اکثر و بیشتر حصے اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ تاہم اس زمانے کے بادشاہوں کی بود و باش زندگی کے طور طریقوں اور رفاہیت اور تنعم کے مختلف وسائل پر اس سے اب بھی کافی روشنی پڑسکتی ہے، قصر کے بعض کمرے ہم نے ایسے دیکھے کہ ان کے فرش میں مرمر کے پتھروں کو جوڑ کر درختوں، پرندوں، چرندوں، اور درندوں کی تصویریں بنائی گئی ہیں۔ ایک تصویر میں شیر کو ہرن کا شکار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ بقول ایک عرب کاتب کے "یہ قصر اپنے محل وقوع، انتہائی وسعت و کشادگی خاص طرز تعمیر اور آرائش و زیبائش میں تفنن کے اعتبار سے اپنے اندر ایک ایسا جامع ماحول رکھتا ہے، جس میں شہری تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ دیہاتی سکون و سادگی کا امتزاج بھی پایا جاتا ہے ایسے شاہی ویرانوں میں آ کر دنیا کی بے ثباتی کا استحضار خوب ہوتا ہے۔

اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة. (الآیۃ)

تم جہاں کہیں بھی ہو موت تم کو آ کر پکڑے گی، اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

ساتھیوں کا اتفاق اس پر ہوا کہ مذکورہ دونوں مقامات پر اکتفاء کر کے واپس قدس جانا چاہئے، ورنہ اریحا کے قرب و جوار میں تل سلطان، جبل تجربہ، بحر میت، فرانیت قمران اور کئی دوسرے مقامات بھی ایسے موجود تھے جن کا دیکھنا تفریح سے خالی نہ تھا۔

قریہ صور باہر :

ہمیں آج دو پہر کے کھانے پر ابوطیر صاحب نے اپنے گاؤں صور باہر میں مدعو کیا تھا، صور باہر ایک سرحدی گاؤں ہے، جو قدس سے دو تین میل کے فاصلے پر خلیل جانے والی سڑک پر اسرائیل کی حدود کے قریب واقع ہے۔ ابوطیر صاحب نے گھر کی کھڑکی سے اشارہ کر کے دور کے کھیتوں میں چکر لگانے والے چند یہودی ہمیں دکھائے، اتنے خطرناک

دشمن کے ساتھ حدود پر واقع ہونے کی وجہ سے اس گاؤں کے باشندے ہمیشہ خطرہ میں رہتے تھے۔ ان لوگوں کے کہنے مطابق اس علاقہ میں اسلامی فوجی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اسرائیل ہر دو چار سال بعد حد بندی لائن کی تجدید کرتے ہوئے صور باہر کی کچھ نہ کچھ زمین پر قابض ہوجاتا تھا صبح سے شام تک کا وقت ہم نے اس پُرسکون دیہاتی ماحول میں گزارا اور عصر کی نماز کے لئے واپس بیت المقدس چلے آئے۔

جبل زیتون :

عصر کی نماز مسجد الاقصیٰ میں پڑھ کر ہم جبل زیتون پر گئے، جہاں بہت سے شہداء صالحین کی قبور کے علاوہ حضرت سلمان فارسیؓ اور رابعہ عدویہؒ کے مزارات بھی موجود ہیں۔ جبل زیتون کے جس علاقہ میں سلمان فارسیؓ کا مزار واقع ہے، وہ قریہ طور کہلاتا ہے، علاوہ ازیں عیسائیوں کے متعدد تاریخی گرجے اور بعض دوسرے مقدسات بھی جبل زیتون پر واقع ہیں۔

بیت المقدس سے متعلق :

اگلا دن زیادہ تر حرم مبارک میں گزارا۔ بیت المقدس میں ہمارے قیام کا یہ آخری دن تھا، کل دمشق جانے کے لئے ٹیکسی میں آج سے سیٹس ہم نے بک کرادیں۔ اس مبارک شہر کو خیر باد کہنے سے قبل مناسب معلوم ہوا کہ اپنی ڈائری میں اختصار کے ساتھ وہ تأثرات قلمبند کردوں جو ایک ہفتہ کے دوران قیام یہاں سے متعلق میرے قلب میں پیدا ہوئے تھے۔ بیت المقدس میں اسلامی مقدسات کے ساتھ ساتھ چونکہ عیسائی مقدسات بھی بکثرت موجود ہیں، اس لئے اس شہر میں عیسائیوں کا نسبتاً زیادہ آباد ہونا ایک طبعی امر ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کے مختلف ملکوں سے بھی عیسائی بکثرت اپنے مقدس مقامات دیکھنے کے لئے

یہاں آتے رہتے ہیں، اس مسلم عیسائی اختلاط کی بناء پہ یہاں بے پردگی اور عریانی کے مناظر نسبتاً زیادہ نظر آتے ہیں۔

بیت المقدس :

بیت المقدس کا شہر اس وقت اقوام متحدہ نے تقسیم کیا ہوا تھا، اور حد بندی کے لئے قدر قامت سے کم دیوار بنائی گئی تھی۔ یہودی حصہ میں ٹینک اور فوجی چھاؤنیاں نظر آ رہی تھیں، اور مسلمانوں کے حصہ میں بازاروں کے اندر عریاں لباس میں مسلمان عورتیں گھومتی نظر آ رہی تھیں، البتہ راہبات مسیحی عورتیں اپنے مذہبی لباس میں ہوتی تھیں، بعض لباسوں پر یہ جملہ لکھا ہوا نظر آتا تھا، ''اخوات المسیح ''یعنی حضرت مسیح کی بہنیں ہیں، اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں کو پشتو کا مشہور مقولہ سنایا :

''نن دے که صبا دے دا مال د زرغون شاه دے''

یعنی آج یا کل یہ مال زرغون شاہ کا ہوگا۔

میں نے اس وقت دل میں کہا کہ اگر مسلمان جذباتی نہ ہوتے اور پرانی اسرائیلی حکومت کو تسلیم کرتے، تو یہ آدھا حصہ ان کے ہاتھوں سے نہ جاتا، اور افسوس اب ہے کہ پورا شہر بلکہ جولان شامل کی پہاڑیوں تک ان کا قبضہ ہے، اور اب عرب چاہتے ہیں کہ اسرائیل کو ہم مانیں گے مگر ہمیں القدس واپس کرادیں، اور وہ عیسائی کفار کی پشت پناہی کی وجہ سے نہایت متکبرانہ انداز میں انکاری ہیں۔

كنيسة القيامة :

کنیسۃ القیامیہ میں قبر عیسیٰ ''مزعوم'' کے ساتھ ایک پادری سے پوچھا کہ ''یہ یسوع کی قبر ہے'' تو اس نے کہا ''ہاں'' میں نے کہا کہ یہ کیا واقعہ ہوا تھا؟ تو اس نے کہا کہ تم نے

انجیل نہیں پڑھی، اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہودیوں کی شرارت پر هیرودس یہودی بادشاہ نے اس کو قتل کرایا اور پھر سولی پر چڑھایا، اور تین دن لٹکانے کے بعد ہم نے یہیں دفن کرایا، اور پھر دفن کے تین دن بعد اوپر آسمان گئے اور اپنے باپ کے ساتھ عرش معلیٰ پر بائیں طرف بیٹھ گئے، العیاذ باللہ۔ تو میں نے کہا کہ آپ اب خالی قبر کی چوکیداری کرتے ہیں، خالی قبر سے کیا مانگتے ہی، تو وہ خاموش ہوگئے، اور میں نے قصداً یہ بات اس لئے پوچھی تھی کہ ایک طرف عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارے خدا کے بیٹے یسوع کو یہودیوں نے مروادیا ہے، دوسری طرف وہ یہودیوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ پادری وغیرہ جتنے لوگ قبر کی زیارت کے لئے آتے ہیں گرجے کے اندر تو قبر کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس پر موم بتیاں جلاتے ہیں، اور قبر کے اوپر ڈالرز وغیرہ نذرانہ رکھتے ہیں، اور قبر بھی ہماری خوانین کی قبروں کی طرح مسطح سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اور ہمارے ہاں جو معاملہ مزارات کے ساتھ کیا جاتا ہے، یہ سب کچھ عیسائی اور ہندوانہ رسم ورواج ہے، جو جاہل مسلمانوں نے اپنایا ہوا ہے۔

مسجد اقصیٰ :

مسجد اقصیٰ ایک گرجا نما شکل میں ہے جس کی لمبائی محراب کی طرف زیادہ ہے، تقریباً ۲۲ پلرز ہیں اور چوڑائی کی مقدار بارہ پلرز ہیں، منبر شریف شجرۃ الارز سے بنا ہوا ہے، اور کافی اونچا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس میں کوئی کیل اور پیوند نہیں۔ ایک ہی درخت کے تنے سے بنا ہوا ہے۔ جو صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی یادگار ہے، اور بائیں طرف دیوار کے ٹائلز میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا چہرہ، پگڑی اور جسم کا اوپری حصہ، تین چار گز کے فاصلے سے نظر آتا ہے۔ اور نزدیک جاکر دیکھنے سے صرف ٹائلز نظر آتے ہیں اور اس کے ساتھ محراب مریم بھی ہے۔ میں نے وہاں پر قرآن مجید کا ختم بھی کیا، جبکہ سیاحین دیکھنے

کے لئے اندر آتے اور فوٹو لیتے تھے۔ افسوس کی بات یہ تھی کہ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں نمازی اور ذاکرین کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے، اور وہاں مسجد اقصیٰ میں بمشکل ایک صف نمازی ہوتے تھے اور وہ بھی اکثر باہر کے لوگ ہوتے تھے۔ گنبد صخرہ کے اردگرد چاروں طرف سروے کے درخت اور پھول تھے۔ جبکہ اس کے چھوٹے چھوٹے راستوں میں مرد اور عورتیں عریاں لباس میں چکر لگاتے، سیر و سیاحت کرتے ہوئے اور فوٹو گرافی کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ خطیب صاحبان جامعۃ الازہر کے پڑھے ہوئے ازہری پگڑی باندھے ہوتے اور کوٹ پتلون میں نماز پڑھاتے رہتے، جن کے چہرے داڑھی سے صاف رہتے تھے ...... ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

باہر جا کر پاکستانی مسلمانوں کو اپنے علماء کرام کی قدر محسوس ہوتی ہے۔

عمان :

اردن سے بذریعہ ٹیکسی عازم دمشق اور شام ہوگئے، دونوں ملکوں کے بارڈر پر چیکنگ کے بعد کوئی پانچ گھنٹے میں دمشق پہنچے جو عمان سے براہ سڑک تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ دمشق کے ایک ہوٹل میں قیام رہا۔ جامع اموی جو ولید بن عبدالملک نے ۸۰ ہجری میں بنوائی تھی، قابل دید ہے۔ دوسری صف کی جگہ پر شیشہ بند قبر ہے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، اور صحن سے باہر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور ساتھ عماد الدین دفن ہیں۔ بائیں طرف کے برآمدے میں حضرت حسینؓ کا سر مبارک دفن ہے۔ میں نے جب حضرت حسینؓ کے سر کی زیارت کی تو دل میں کہا کہ ''یہاں اس سے بڑی شخصیت حضرت یحییٰ علیہ السلام پیغمبر کا سر بھی دفن ہے، جو ہیرودس یہودی بادشاہ نے اپنے خفیہ پولیس کے ذریعہ بیروت میں ذبح کرایا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سر مبارک

کو بادشاہ کے سامنے لایا گیا، اور جسم کا باقی حصہ وہاں بیروت میں دفن کیا گیا، جس طرح حضرت حسینؓ کا سر یہاں اور جسم کا باقی حصہ کربلا میں دوسرے شہداء کے ساتھ دفن ہیں"۔

دنیا میں بہت سے صالحین اور انبیاء کرام کے ساتھ اس قسم کا ظلم ہو چکا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر اور حضرت حسینؓ کا سر دونوں کا ایک جگہ پر اکٹھا ہونا حضرت حسینؓ پر رونے والوں کے لئے جائے عبرت اور صبر کی دعوت دیتا ہے۔

دمشق :

دمشق کے بڑے بازار سوق الحمیدیہ میں یزید کے ایک نیک اور صالح فرزند ارجمند کا مزار ہے، جس کا نام دادا کے نام پر حضرت معاویہ تھا۔ یزید کے بعد جب وہ سربراہِ سلطنت ہو گئے، تو تین ماہ کے بعد اس نے سلطنت کو لات ماری کہ آپ لوگوں نے اس سلطنت کے لئے جگر گوشۂ رسول مقبول ﷺ حضرت حسینؓ کو قتل کرایا ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

جب مروان والی مدینہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ فوراً دمشق گئے اور خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے اپنی خلافت کا اعلان کر گئے، اور اس طرح بنوامیہ برسر اقتدار آ گئے۔ حضرت معاویہ بن یزید بن معاویہؓ جلدی وفات بھی پا گئے اور اس کا مزار محفوظ ہے، جس پر عربی کی یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"ھذا ضریح معاویة بن یزید بن معاویة محب آل الرسول الکریم"۔

مرکز تبلیغ جامع عبدالرحمٰن کی زیارت بھی کی اور وہاں خطیب نے دعوت کا انتظام بھی کیا۔

دمشق شہر کے چاروں طرف انجیر اور زیتون کے باغات تقریباً ۲۵ میل تک پھیلے

ہوئے ہیں، دمشق شہر کے مغرب میں ایک پہاڑ ہے، جس سے پورا شہر نظر آتا ہے، میں نے حضرت الاستاذ مولانا شمس الحق افغانیؒ سے سنا ہے کہ دمشق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا، جس کے نام پر اس شہر کی تقریباً ۴ ہزار سال پہلے بنیاد رکھی گئی ہے۔ اور اس کے دوسری بھائی کا نام مدین تھا۔ یہ دونوں حضرت بی بی قنطوراء کی اولاد ہیں۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی تھی۔ پہلی بیوی کا نام سارہ ہے، جس کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہو گئے تھے، اور وہ یہودی اور تمام انبیاء بنی اسرائیل کی ماں ہے۔ دوسری کا نام ہاجرہ ہے، جو کہ مصری بیوی تھی اور اس کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے تھے، جو ہمارے نبی کریم ﷺ اور عربوں کی ماں ہیں۔ اور تیسری بیوی کا نام حضرت قنطوراء ہے، جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے، دمشق اور مدین۔ مدین پٹھانوں اور افغانوں کے جدامجد ہیں اور اس پر عرب اسرائیل اور افغان اقوام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور آپس میں چچازاد بھائی ہیں۔

شام جا کر معلوم ہوا کہ لوگ صرف دمشق شہر کو شام کہتے ہیں، اور بس والے بھی شام شام کی آوازیں دے رہے تھے۔ باقی تمام ملک کو سوریا کہتے تھے۔ شہر دمشق کے بعض مقامات اور مزارات بہت قابل دید ہیں، مثلاً مکتبة الظاهرية دمشق جو سلطان ظاہر بیبرس نے بنایا ہے، اور اس کی قبر بھی اندر موجود ہے۔ اور ان کی وفات ۶۶۲ھ میں ہوئی تھی، یہ کتب خانہ دو منزلہ ہے، جس میں صرف مخطوطات آٹھ ہزار ہیں۔ امام احمدؒ، حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے رسالے اور مخطوطات کے علاوہ صحیفہ ہمام بن منبہ متوفی ۹۵ھ بروایت ابی ہریرہؓ بھی اپنی قلمی حالت پر اس میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ مقبرہ باب الصغیر میں مزارات سیدنا بلالؓ، عبداللہ بن جعفر الطیارؓ، زینب الصغریٰؓ الملقبہ بام کلثوم زوجۂ عمر فاروقؓ اور سکینہ بنت الحسینؓ، امام فخر الدین رازیؒ، شیخ عبدالغنی نابلسی، شیخ ابن عربی

امام التصوف، ۱۶ ارفقائے حضرت حسینؓ اور مزار سیدنا عبداللہ بن اُم مکتومؓ وغیرہ بھی قابل دید ہیں۔

جن مشائخ کرام سے دمشق میں ملاقات ہوئی تھی، ان میں شیخ سعید البرہانی الحنفی، شیخ عبدالوہاب حافظ دبس وزیت الحنفی، شیخ عبدالرحمٰن الزعبی الشافعی، شیخ بہجۃ البیطار السّلفی وغیرہ شامل ہیں۔ اس وقت شام کا مفتی اعظم شیخ احمد کفتارو شافعی تھے، مگر سرکاری مذہب احناف ہی کا ہے، اور مدارس میں فقہ حنفی کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔

قریہ بصری الحریر :

قریہ بصری الحریر بھی گئے۔ جو تقریباً ۱۰۵ میل کے فاصلے پر دمشق کے جنوب میں واقع ہے۔ وہاں زمیل مکرم ابراہیم محمد الحریری کی دعوت پر ان کے مہمان رہے۔ وہاں ایک جامع مسجد میں حضرت الیسع علیہ السلام دفن ہیں۔ بصری الحریر تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سفر شام برائے تجارت اپنے عم ابی طالب کے ساتھ نبوت سے پہلے ہو چکا ہے۔

قریہ بصری الحریر پرانے زمانے کا تجارتی مرکز رہ چکا ہے اور اب تک اس میں رومانی دور کے مدرج رومانی سٹیڈیم موجود ہے۔ قریہ بصری الحریر کو جاتے ہوئے راستے میں ازرع نامی تحصیل واقع ہے، جس کو جاہلیت کے دور میں ازرعات کہا کرتے تھے۔ اور اس شعر عربی میں اس کا ذکر آیا ہے ......۔

تیممتها من ازرعات و اهلها

بیثرب ادبی دارها نظر عالی

ترجمہ : میں نے اپنے محبوبہ کی ملاقات کا ارادہ ازرعات سے کیا جبکہ اس کا خاندان یثرب میں مقیم تھا۔

پھر ازرع سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر اپنے میزبان ابراہیم محمد الحریری کی

رفاقت اور رہبری میں پیدل قریۂ نویٰ چلے گئے۔ جہاں پر گاؤں سے باہر امام نوویؒ شارح مسلم کا مزار ہے۔ مزار پر بڑا خشک درخت تھا، جس کی وجہ سے قبر غائب ہوگئی تھی۔ اور وہاں کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ اسی درخت کے پتوں پر عبرانی زبان میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ امام نوویؒ کی زیارت کے بعد عازم قریۂ شیخ سعد ہوگئے۔ جہاں پر ایک ٹیلے کے دامن میں واقع گاؤں میں حضرت سعد بن عبادہؓ کا مزار ہے۔ وہاں کے جامع مسجد کے خطیب کے ہاں جمعۃ المبارک کی نماز کے بعد کھانے کی دعوت پر گئے، وہاں خطیب نے یہ واقعہ سنایا کہ حضرت سعدؓ کو غسل خانہ میں مردہ پایا گیا۔ اور اس کی پیٹھ پر ایک ضرب کی نشانی تھی۔ اور ان کو نکالتے وقت ایک غیبی آواز سنائی گئی کہ ....۔

نحن قتلنا سعد بن عبادة برمية اصابها فؤاده

یعنی کسی جنی نے کہا کہ ''ہم نے سعد بن عبادہؓ کو ایسے وار سے قتل کیا ہوا ہے، جس کا اثر اس کے دل تک جا پہنچا ہے''۔

قریۂ سعد سے دو میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف اور جبالِ جولان کے قریب حضرت ایوب علیہ السلام اور اس کے بیٹے کے مزار پر حاضری دیدی۔ اور چشمۂ ایوبؑ جس میں آپ علیہ السلام نہا چکے تھے، اب بھی ایک گنبد کے نیچے موجود ہے، جس کی طرف اس آیۂ شریف میں اشارہ ہے :

''ارکض برجلک هذا مغتسل بارد و شراب''. (الآیة)

یعنی اس مبارک ٹھنڈے چشمے سے نہائیں اور پی لے'' میں نے ہاتھ اور چہرہ اس پانی سے دھولیا، مگر پانی کم تھا اور اس میں کیچڑ زیادہ تھی۔

پھر دمشق سے ٹیکسی میں حمص چلے گئے جس کا تذکرہ بخاری شریف میں آتا ہے۔ حمص آباد شہر ہے جہاں پر نہریں بہتی ہیں۔ اور نہروں پر ناعور ہوتے ہیں بڑے بڑے

رہٹ جن سے پانی کھینچا جاتا ہے، شہر حمص کے ایک باغ کی جامع مسجد میں حضرت خالد بن ولیدؓ اوراس کے بیٹے عبدالرحمٰن بن خالد کے مزارات ہیں، وہاں ہم نے جمعہ پڑھا۔ شوافع پہلی جماعت کے بعد دوسری جماعت احتیاطی ظہر پڑھتے ہیں، کیونکہ ان کے مذہب میں صرف پہلا جمعہ ایک شہر میں صحیح ہوجاتا ہے، باقی نہیں، باہر خالد بن ولیدؓ کے بستر علالت پر ان کے آخری کلمات اب تک سنگ مرمر کے کتبہ پر درج ہیں۔ اور وہ کلمات یہ ہیں :

''آج اپنی چارپائی پر مررہا ہوں، حال یہ ہے کہ میرے جسم میں ایسا اندام نہیں جس پر زخم کا نشان نہ ہو، اور شہادت کی تمنا رہی مگر وہ پوری نہ ہوسکی، اس لئے میری موت سے ہزاروں لوگ عبرت لے لیں کہ موت اپنے وقت پر آنے والی ہے، جہاد سے موت واقع نہیں ہوتی''۔

ایک داڑھی والے نے جب ہمیں دیکھا تو وہ دوڑ کر ہمارے پاس آئے اور کہا کہ ''آپ تبلیغ میں آئے ہیں؟ میں نے کہا کہ اصطلاحی تبلیغ میں نہیں آئے لیکن تبلیغ والوں کو پسند کرتے ہیں تو اس نے کہا کہ ''آپ جب واپس جائیں تو تبلیغ والوں کو ہمارے ہاں بھیج دیں کیونکہ ہم ایمان اور عمل چھوڑ چکے ہیں''۔

شہر حمص میں کافی صحابہؓ اور اولیاء کرامؒ دفن ہیں۔ جن کی تعداد چار ہزار تک بتلائی جاتی ہے۔ ان میں مشہور عبیداللہ بن عمر، عمر بن عبدالعزیز، عمرو بن عبسہ، حضرت ثوبان، حضرت وحشی قاتل حمزہ، ابوموسیٰ اشعری، عکاشہ بن محصن، عکرمہ بن ابی جہل، ابوامامہ الباہلی، عمرو بن معدیکرب، کعب الاحبار، اور ساتھ معاذ بن جبل رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین دفن ہیں۔ یہاں کے جس مشہور عالم سے ملاقات ہوئی وہ تھے الشیخ وصفی احمد المسدی النقشبندی۔

پھر ایک زمیل منصور کی دعوت پر قریہ الشیخ مسکین گئے۔ جو حمص سے تقریباً ۲۰ میل

کے فاصلے پر جنوب مشرق میں واقع ہے، جہاں سفید انجیر اور اخروٹ کے باغات ہیں، پھر شہر حماۃ میں الشیخ محمد ادیب الگیلانی مصنف کتاب ''التصوف فی الکتاب والسنة'' وغیرہ اور شیخ محمد حامد الحنفی، الشیخ بشیر شقفہ مصنف کتاب ''العورۃ فی الاسلام'' وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ پھر شہر حلب گئے جو کہ آخری سرحدی شامی شہر ہے۔

حلب دریائے فرات کے کنارے واقع ہے، بہت بڑا شاداب شہر ہے، اور سب احناف ہیں۔ حماۃ، حمص، دمشق وغیرہ میں شوافع اور احناف دونوں ہیں' مگر حلب احناف کا گڑھ ہے۔ حلب احناف مصنفین اور شارحین کا شہر ہے۔ یہاں پر قلعہ سیف الدولۃ جس میں جیل اور یادگار ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے تاریخی مقامات ہیں۔ میں نے ایک عالم سے پوچھا کہ حلب کو حلب کیوں کہا جاتا ہے، تو اس نے کہا کہ یہ اصل میں حلب الشہباء ہے یعنی سفید گائے کا دوہنا۔ یہاں پر عراق سے ہجرت کر کے ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تھے اور ان کی سفید گائے کی بنا پر اس شہر کا نام حلب الشہباء رکھ دیا گیا ہے۔

اس قلعے کا ذکر متنبی کے اشعار میں بہت آتا ہے، حلب میں الشیخ عبدالقادر عیسی حلبی کے ہاں مقیم رہے، جو طریقۂ شاذلیہ کے بڑے مرشد اور اخوان الفقراء کے مؤسس تھے، ان کی تصنیف ''حقائق عن التصوف'' بہت مشہور ہے۔ شاذلی طریقہ والے مسجد کے احاطہ میں کھڑے ہو کر حلقہ کی صورت میں جہراً ذکر کرتے ہیں، اور ساتھ رکوع تک جھک جاتے ہیں۔ اور اکثر یہ کہا کرتے تھے ''المدد یا رسول'' میں نے بعض سے پوچھا، کہ یہ الفاظ کیوں کہتے ہیں، تو اس نے جواب میں کہا، کہ ''توسل کرتے ہیں''۔ حالانکہ یہ توسل نہیں ہے۔ شام میں تصوف والے بہت ہیں، مگر ساتھ خرافات اور بدعات بھی بہت زیادہ ہیں۔ میلاد شریف میں کھڑے ہو کر یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ ''مرحبا یا رسول اللہ'' اور اذان کے بعد جہراً تین بار الصلاۃ و السلام علیک یا رسول اللہ، الصلاۃ و

السلام علیک یا حبیب اللّٰہ، الصلاۃ والسلام علیک یامن انجانا بک اللّٰہ، الصلاۃ والسلام علیک وعلی آلک و اصحابک اجمعین ''پڑھتے ہیں۔ حضور کے نام کے ساتھ محبت کا بہت مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن شریعت کے قواعد کی پابندی سے باہر ہو جاتے ہیں، یعنی جوش ہوتا ہے، مگر ہوش نہیں ہوتا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں بدعات، خرافات اور شرکیات تصوف کے نام سے آتے ہیں، حال یہ ہے کہ اصل تصوف تو قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہوئے ظاہر و باطن کی اصلاح کا نام ہے، جس کو تزکیۂ نفس، زہد، اور مرتبہ احسان کہتے ہیں۔ اس رسمی تصوف کی وجہ سے سعودی عرب کے علماء اور محدثین کرام تصوف کے نام سے الرجک ہو جاتے ہیں، الشیخ محمد فوزی الحمامۃ، الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ اور شیخ دکتور محمد عطر الحلبی وغیرہ وہاں کے مشہور علماء تھے۔

طرابلس الشام :

پھر طرابلس اور اس کے بعد انطا کیہ اور پھر لاذقیہ بحیرہ روم کے کنارے لبنان میں داخل ہوئے، بیروت شہر کے **فندق الساحة الکبیر** میں قیام رہا۔ بیروت میں ۱۹۳۰ء کی مردم شماری میں عیسائیوں نے یہ دھوکہ کیا کہ اہل سنۃ اور اہل تشیع کو دو فریق اور عیسائیوں کو ایک فریق بنایا گیا اور اس وقت سے یہ فیصلہ ہے کہ صدر عیسائی، وزیر اعظم سنی مسلمان اور اسمبلی کا سپیکر شیعہ ہوگا۔ حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ لیکن عیسائی دوبارہ مردم شماری کے لئے تیار نہیں اور اس بناء پر کافی لڑائیاں بھی ہوتی رہی ہیں۔

بیروت :

بیروت شہر بے حیائی اور عریانیت کا گندہ نمونہ ہے۔ تقریباً ہر ہوٹل میں سؤر کا گوشت بھی پکتا ہے، اور عیسائیت کے امتزاج کی بنا پر مسلمان عورت اور مسیحی عورت میں

فرق نہیں۔ وہاں کا شیعہ دروز کہلاتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو حزب اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اوران کے عجیب وغریب قصے ہیں۔ بلوچستان میں ذکریوں کی طرح ان کے قصے اور رسم ورواج بھی لکھنے کے مناسب نہیں ہیں۔ بیروت شہر کے ایک محلے کا نام اوزاعیہ ہے، جس میں حضرت امام عبدالرحمٰن الاوزاعیؒ فقیہ اور محدث دفن ہیں۔ جن کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ ایک دن ایک بیروتی دوست کے ساتھ ٹیکسی میں مختلف مقامات اور علاقوں کی سیر وسیاحت کی، رات کافی دیر کے بعد کھانے کے لئے ایک ایسے ہوٹل کی تلاش میں رہے جہاں سوٗر کا گوشت نہ پکتا ہو۔

اس تلاش میں ہم کامیاب نہ ہوسکے مجبوراً ایک ہوٹل والے نے کہا کہ ''ہمارے ہاں سوٗر کا گوشت پکتا ہے لیکن اس کے لئے کچن، باورچی، اور برتن الگ ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے حلال گوشت وغیرہ الگ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے مجبوراً اس ہوٹل میں کھانا کھایا۔ فندق الساحۃ الکبیر کے سامنے وہ بڑا میدان ہے، جس میں جلسے وغیرہ ہوتے ہیں، اور لارنس آف عربیہ عیسائی، کا مجسمہ کھڑا کردیا گیا ہے، جس نے سلطنت اسلامی کے خلاف تحریک لبنان قومیت کے نام پر شروع کرائی تھی، اور اس طرح خلافت عثمانی ختم کی گئی اور پھر اتحادیوں نے ایک ملک چودہ حصوں اور حکومتوں میں تقسیم کرایا، جو باہم دست وگریبان رہے اور اسرائیلی حکومت عمل میں لائی گئی۔ اور عربوں کی تہذیب، ثقافت اور اخلاق وغیرہ تخت وتاراج کردئے گئے۔ اب عرب وہ خاندانی عرب نہیں بلکہ انگریز نما عرب ہی ہیں۔ جو اپنی دولت اور عیش وعشرت کے نشے میں مخمور ہیں اور ہر قسم کے جہاد سے عاجز ہیں، اور انگریزوں اور غیر مسلم قوتوں کے غلام ہیں۔ (الا ما شاء اللہ)

☆☆☆

وطن واپسی

شام، اردن، لبنان کے تفریحی اور علمی دورے سے واپسی پر مدینہ منورہ اور مناسک عمرہ ادا کرنے کے بعد جدہ سے کراچی اور کراچی سے پشاور ائرپورٹ جمادی الاولی ۱۴۸۶ھ مطابق اگست ۱۹۶۶ء کو وطن واپس پہنچ گئے۔ والد بزرگ وار اور خاندان کے دیگر افراد اور احباب وغیرہ استقبال کے لئے آئے تھے۔ **والحمد للہ علی ذالک۔**

حضرت بنوریؒ کا مشورہ:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی خواہش تھی کہ تم اپنے دو ساتھیوں حضرت مولانا سید عبداللہ کاکاخیل مرحوم اور جناب ڈاکٹر مولانا عبدالرزاق صاحب (حال مہتمم جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن) سمیت بنوری ٹاؤن میں پڑھاتے رہو۔ ایک طرف کراچی سے چارسدہ کی کافی دوری اور پھر کراچی کی آب وہوا اور جناب حضرت بنوریؒ کی جلالی شان کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے والد صاحب سے مشورہ کرنے پر فیصلہ موقوف کردیا۔

حضرت بنوریؒ پر جلالی شان غالب تھی اور میں تو دیہاتی آدمی تھا تو میں حضرت کے غصے سے بہت ڈرتا تھا تو کراچی میں نہیں رہ سکا اور والد صاحب بھی اتنے دور رہنے سے خوش نہیں تھے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور میں دعوتِ تدریس:

لاہور کے جامعہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا عبیداللہ صاحب مدظلہم جو میرے ابوداؤد شریف کے استاد بھی رہ چکے تھے مجھے اپنے علاقہ سے اور حضرت مولانا موسیٰ خان مرحوم کو ملتان سے بلایا اور وہاں جامعہ اشرفیہ میں تدریس کی دعوت دی، میں نے حضرت

الاستاذ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے وہاں پڑھانے میں مشورہ کیا، آپ نے فرمایا کہ
''پہلے تو مہتمم صاحب سے معاملات اور معاہدات میں صاف صاف بات کیا کرو تا کہ بعد
میں شکایات اور حکایات کا موقع نہ رہے۔ دوسری بات یہ کہ آپ جہاں بھی تدریس کرو گے
میں آپ کے ساتھ ہونگا یعنی محبت اور تعلق کے اعتبار سے۔

حضرت مولانا موسیٰ خان مرحوم اس سال سے وہاں مدرس ہو گئے ۔ میں نے
اپنے والد بزرگوار سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کرنے کے لئے کہا۔

دارالعلوم نعمانیہ اتمانزئی میں تقرری :

ادھر اپنے چارسدہ کے حضرت مولانا روح اللہ جان صاحب نے جو میرے ہم
درس اور ساتھی رہ چکے تھے اگر چہ سنجیدگی، عمر اور علم میں مجھ سے بڑے تھے، اپنے دارالعلوم
نعمانیہ اتمانزئی میں درس حدیث پڑھانے کے لئے کہا اور اس مقصد کے لئے دو تین بار
آئے پھر حضرت مولانا میاں صاحب مسرت شاہ کاکا خیلؒ کی سفارش پر حضرت والد
بزرگوار نے اتمانزئی میں بات کرلی ۔ حضرت مولانا محمد اسرائیلؒ جو اس وقت دارالعلوم
نعمانیہ کے مہتمم تھے اور میرے والد صاحب اور جملہ خاندان سے ان کے خصوصی مراسم،
محبت اور احترام کا معاملہ تھا۔ وہ ہمارے سب اکابر کے بزرگ اور ہم مشرب تھے، حضرت
مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے خصوصی شاگرد، جمعیۃ العلماء اسلام سرحد کے ناظم اعلیٰ اور نہایت
بصیرت اور فراست والے تھے۔ ان کی محبت اور صرار پر دارالعلوم نعمانیہ اتمانزئی میں بحیثیت
شیخ الحدیث اور صدر مدرس تقرری ہوگئی۔ تنخواہ ایک سو اسی روپیہ (۱۸۰) ماہوار اور سالانہ
ترقی دس روپیہ پر حضرت مہتمم نے فیصلہ کرلیا۔

چنانچہ ماہ شوال ۱۳۸۶ھ سے دارالعلوم نعمانیہ اتمانزئی، چارسدہ میں درسِ حدیث

شریف شروع کیا حدیث شریف کے درس نظامی میں داخل جملہ کتابیں میں خود پڑھاتا رہا اور پہلے سال چھ طالبعلم دورۂ حدیث میں شریک رہے۔ پہلے سالانہ دستار بندی ۱۳۸۷ھ میں لاہور سے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، غورغشتی کے شیخ الحدیث مولانا نصیر الدینؒ اور کراچی سے حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے اکابرین ملت تشریف لائے۔ طلباء کی تعداد مختلف سالوں میں بڑھتی رہی، اور شعبان ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء تک میں مسلسل تقریباً سات سال دارالعلوم نعمانیہ اُتمانزئی میں پڑھاتا رہا، دوران تدریس پرائیوٹ طور پر پشاور یونیورسٹی سے ۱۹۷۱ء میں ایم اے اسلامیات کا امتحان دے کر کل آٹھ سو نمبرات میں سے ۶۴۱ چھ سو اکتالیس نمبرات لے کر تمام یونیورسٹی میں اوّل آیا، اور گولڈ مڈل اور صدارتی انعام مبلغ تین ہزار روپیہ کا مستحق قرار دیا گیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ۔ جو گورنر سرحد نصیر اللہ بابر کے زمانے میں کانووکیشن ہال یونیورسٹی میں ان کے ہاتھ سے بمع سرٹیفکیٹ وصول کئے۔

اسی زمانہ میں دارالعلوم میں دارالحدیث بھی بن گیا اور اسی دوران مفتی حسن جان مولانا روح اللہ صاحب کے صاحبزادہ پیدا ہو گئے جو آج کل مہتمم ہیں، اور خاندانی محبت کی وجہ سے انہوں نے میرے نام پر اس کا نام رکھ دیا، بعض وجوہات کی بنا پر میں نے حضرت مہتمم صاحب مولانا محمد اسرائیل رحمۃ اللہ علیہ کو استعفاء دے کر ٹل والوں کے اصرار اور دعوت پر ۴ رشوال ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۱ ر اکتوبر ۱۹۷۳ء سے دارالعلوم عربیہ ٹل شہر ضلع کوہاٹ میں بحیثیت صدر مدرس اور شیخ الحدیث تقرری ہوئی، اور ان کی طرف سے ساڑھے چار سو روپیہ ماہوار پر حق الخدمت کا فیصلہ ہوا۔

ٹل میں تین سال دورۂ حدیث پڑھانے کے بعد چارسدہ شوگر ملز کے یونین اور دیگر احباب اور نواب امیر محمد خان کی دعوت پر شوگر ملز کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے اور اکبر دارالعلوم مردان میں تدریس کے لئے بڑے اصرار کے ساتھ مجھے ٹل سے لے آئے،

یہاں آ کر میں نے نواب امیر محمد خان صاحب سے اکبر دارالعلوم میں پڑھانے سے معذرت کی کہ وہاں حالاً حضرت مولانا شمس الحق افغانی (رحمۃ اللہ علیہ) نگران اعلیٰ اور حضرت مولانا عبدالغنی صاحب جیسے اکابر موجود ہیں، تو میری وہاں کیا حیثیت ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم بعض حضرات کو رخصت کرنا چاہتے ہیں، میں نے دل میں یہ مناسب نہیں سمجھا کہ میری وجہ سے اس قسم کے اکابر حضرات میں سے کسی کو رخصت کیا جائے۔

دارالعلوم حقانیہ میں تقرری :

چنانچہ بعض احباب کی خواہش اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک جانا پسند کیا۔ اور بروز جمعۃ المبارک ۶/شوال ۱۳۹۶ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۷۶ء دارالعلوم حقانیہ میں تقرری ہوگئی، اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زیردرس کتاب ترمذی کا **باب الصلوٰۃ** اور بخاری شریف **کتاب الجہاد** سے **کتاب النکاح** اور مغازی جبکہ مشکوٰۃ میں جلد ثانی اور تصریح کا درس عنایت فرمایا اور اپنی طرف سے چھ سو روپیہ ماہوار مقرر کیا۔

جب نواب امیر محمد خان کو معلوم ہوا، چونکہ میں ان کی جامع مسجد شوگر ملز میں جمعہ بھی پڑھاتا رہا، تو اس نے پیغام بھیجا کہ "ہم نے آپ کو ٹل سے بلایا ہے" آپ اکوڑہ خٹک کیوں چلے گئے؟ میں نے جواب میں کہا کہ اس سال دارالعلوم حقانیہ جا چکا ہوں، آئندہ سال دیکھیں گے۔

آئندہ سال شوال سے نواب صاحب نے بعض اہم شخصیات کو اکبر دارالعلوم مردان سے رخصت کیا، اور انہوں نے مجھے پیغام بھیجا کہ آپ کے لئے جگہ خالی کرادی ہے، آپ اکبر دارالعلوم آ جائیں۔ میں نے کہا میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ سے خود نہیں کہہ سکتا۔ آپ میرے ساتھ اپنے نمائندے بھیج دیجئے، وہ ان سے کہیں

گے، چنانچہ ان کے سیکٹری حاجی مقبول اور اکاؤنٹنٹ نور محمد خان صاحب میرے ساتھ گئے۔ حضرت سے ملاقات کے وقت میں خاموش رہا اور انہوں نے میرے بارے میں عرضداشت پیش کی۔ حضرت کی مجھ سے از حد محبت تھی، اور آپ نے میری داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھایا، اور فرمایا کہ آپ قطعاً دارالعلوم کو نہ چھوڑیں، یہ الفاظ حضرت نے نہایت شفقت اور تواضع سے فرمائے۔ میں نے کہا کہ آپ مجھے ان سے نجات دلائیں، تو حضرت نے ان سے فرمایا کہ اس سال تو یہاں رہیں گے پھر دوسرے سال کو دیکھیں گے، اور میری طرف سے نواب صاحب کو یہ پیغام پہنچادیں۔ چنانچہ دوسرے سال بھی وہاں دارالعلوم حقانیہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر رہا، اور حضرت نے اپنی طرف سے سات سو روپیہ ماہوار مقرر کیا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ :

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے اخلاص، تواضع اور شفقت میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت کی صحبت سے پہلے کبھی کبھی دل میں یہ خیال آتا تھا کہ حضرت کا تواضع متکلفانہ نہ ہو، مگر ان کی صحبت اور دارالعلوم میں رہنے سے یہ معلوم ہوا، کہ یہ آپؒ کی طبعی صفت تھی، اپنے بچوں کے ساتھ نہایت متواضعانہ برتاؤ میں تکلف نہیں ہوسکتا، میں اکثر دعا میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شمس الہادی شاہ منصور باباجیؒ جیسے نیک اخلاق اپنے لئے رب العزت سے مانگتا ہوں۔

دارالعلوم حقانیہ کے برکات :

۱۔ دارالعلوم حقانیہ کے برکات سے مجھے کافی فائدہ ہوا، تدریس کے طریقہ میں اصلاح ہوگئی، اکابر علماء اور مدرسین دارالعلوم کی صحبت اور مجلسوں سے فیض یاب ہوا۔ خصوصاً

صدر مدرس، والدِ حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؔ اور دیگر مشفق اساتذۂ کرام سے۔

۲- آج کل کے مشہور علماء کرام کے استاد ہو جانے کا شرف حاصل ہوا، مثلاً مولانا فضل الرحمٰن امیر جمعیۃ علمائے اسلام، حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مہتمم جامعہ ابو ہریرہ نوشہرہ، حضرت مولانا بدر منیر صاحب جامعہ مدنیہ بٹ خیلہ ملاکنڈ، حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؔ صاحبزادہ صدر صاحب، مدرس دارالعلوم حقانیہ، حضرت مولانا سید عبدالحی صاحب بام خیل رابطہ عالم اسلامی وغیرہ جو اُس زمانے کے فارغ التحصیل ہیں۔

۳- حضرت شیخ الحدیث کے خاندان سے خصوصی تعلق اور محبت اور فکری اور نظریاتی اتحاد رہا، جو آج تک قائم و دائم ہے۔

۴- دارالعلوم حقانیہ کو دیوبند ثانی کی حیثیت حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خصوصی معاونین اور اس وقت کے ناظم صاحب مرحوم کی مخلصانہ جدوجہد اور حضرت شیخ الحدیث کی دعاؤں کی برکت سے حاصل ہے۔

۵- نیا دور اور تعمیراتی ترقی حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی مخلصانہ کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مزید ترقی نصیب فرماویں۔ (آمین)

دوسرے سال کے اختتام پر نواب امیر محمد خان صاحب کے اصرار پر سابق شیخ الحدیث و مہتمم کے رخصت ہونے کی وجہ سے اور اکبر دارالعلوم بند ہونے کے ڈر سے اور بعض علماء کرام اور محبین کے مشورہ پر، ایک دینی مدرسہ چلانے اور بند ہو جانے سے بچانے کے لئے حضرت شیخ الحدیث کو بادل ناخواستہ چارسدہ ہی سے استعفاء بھیج دیا۔ ان کو بالمشافہ نہیں کہہ سکتا تھا، اور ماہ شوال ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء کو اکبر دارالعلوم مردان میں بحیثیت مہتمم، صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے عہدہ اور فرائض پر تقرری ہوگئی۔ اور نواب صاحب کی

طرف سے مبلغ پندرہ سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئے۔ جامع مسجد شوگر ملز چارسدہ میں خطابت بھی رہی، اوراس کی اپنی تنخواہ تھی، چونکہ حضرت والد بزرگوار سفر کے قابل نہیں رہے تھے،تو نواب صاحب سے اُن کی جامع مسجد شوگر ملز میں جمعہ کے علاوہ دیگر نمازوں کے پڑھانے کے لئے تقرری کرائی۔ میں نے اپنے ساتھ حضرت مولانا محمد اسرائیل صاحب (حالاً شیخ الحدیث مسجد شہیدان، مردان) نائب رکھا۔اور حضرت مولانا عبدالغنی صاحب سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ پہلے ہی سے موجود تھے۔

اکبر دارالعلوم مردان :

اکبر دارالعلوم مردان کا قیام نواب منیر خان صاحب مرحوم کی رائے سے ہوا تھا وہ تمام بھائیوں میں سے زیادہ دیندار تھے۔اوراس دارالعلوم کے لئے کچھ زمین بھی وقف کرائی گئی تھی۔ حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف مرحوم، مولانا عبدالغنی اور مولانا فضل الرحیم پہلے ہی سے مقرر تھے۔

میرے آنے سے ایک سال پہلے حضرت افغانیؒ رخصت ہوگئے، اور مولانا میاں محمد شفیق قاضی خیل کو مہتمم بنائے گئے۔ اور میرے آنے پر مولانا شیخ الحدیث عبدالرؤف اور میاں محمد شفیق صاحب رخصت ہوگئے اور ساری ذمہ داری میرے سر پر ڈال دی گئی۔

اکبر دارالعلوم آنے کے دوسرے سال ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء حج کی سعادت سے مشرف ہوا۔اوراسی سال ۲۲/ذوالقعدہ بروز اتوار ۹۹ھ کو شاہ خالد مرحوم فرمان روائے سعودی عرب نے بیت اللہ شریف کے سنہرے دروازے کا افتتاح کیا۔جس پر ۱۶۰کلو سونا خرچ ہوا ہے۔ اور جبل ابی قبیس میں دو سرنگوں کا افتتاح ہوا۔ ہم پہلے پیدل جانے والوں میں رہے اور اسی سال یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۰/نومبر ۱۹۷۹ء کو سانحۂ

ارھابیین (دہشتگردی) پیش آیا، جو حرم شریف مکۃ المکرمۃ پر قبضہ کرنے گئے، جس کی وجہ سے تقریباً پندرہ دن جمعہ، جماعت اور طواف معطل رہا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ۔اور آخر میں وہ پکڑے گئے اور اپنی سزا کو پہنچ گئے۔

مورخہ ۸ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ شب منگل کو مطابق ۱۳ر اپریل ۱۹۸۱ء بعد از نماز عشاء بمقام لنڈی ارباب خانقاہ امدادیہ اشرفیہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اور مجاز بیعت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بیعت ہوا، حضرت نے بیعت کے ساتھ چاروں طریقوں، نقشبندی، قادری، چشتی اور سہروردی میں اجازت اور خلافت سے نوازا۔ **فللّٰہ الحمد علی ذلک۔**

کبھی کبھار میں اپنی جامع مسجد شوگر ملز چارسدہ میں جمعہ پڑھاتا رہا، چونکہ نواب منیر خان صاحب وفات پاگئے تھے، اور نواب امیر محمد خان سپین میں سفیر ہوگئے، اور اکبر دار العلوم نواب عبد الغفور خان کی نگرانی میں آیا، وہ بخیل تھے اور سخت تھے، جبکہ دوسری طرف حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور کے اصرار اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی خواہش اور طلب پر پانچ سال مردان میں گزارنے کے بعد نوابزادگان مردان کو استعفٰی دے کر مورخہ ۲۲ر شعبان ۱۴۰۳ھ مطابق ۵ر جون ۱۹۸۳ء بروز اتوار جامعہ امداد العلوم کے نام سے شاہ فیصل مسجد پشاور صدر میں بحیثیت صدر مدرس اور شیخ الحدیث تقرری ہوگئی، جو آج تک جاری ہے، پھر جامع مسجد درویش بن جانے پر ان دونوں بزرگوں کی خواہش اور طلب اور اراکین مسجد کی زبانی اور تحریری درخواست پر جامع مسجد شوگر ملز چارسدہ کی خطابت چھوڑ کر بروز جمعۃ المبارک مورخہ ۲۴ر رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۳ر مارچ ۱۹۸۹ء جامع مسجد درویش میں خطیب اور سرپرست کی حیثیت سے پہلا جمعہ پڑھایا۔

جامعہ امداد العلوم اور درویش جامع مسجد کی مختصر تاریخ :

جہاں اب دار العلوم اور نئی مسجد ہے، اس پلاٹ پر یہودیوں کا گرجا اور فری مسن لاج تھی، اس کا رقبہ تقریباً تین ایکڑ ہے، اس فری مسن تنظیم کے سربراہ اور خاص اراکین یہودی خفیہ تنظیم سے متعلق تھے۔ جوکہ الماسونية العالمية کی شاخ ہے، اس سے وابستہ سادہ لوح مسلمان فوجی اور مالدار سرمایہ دار تھے، ان کو رقص وسرود، شرابوں، ڈانس اور دیگر فحاشیوں میں پھنساتے تھے، اور ان سے ملک کے اہم اور خفیہ معلومات حاصل کر کے، انڈیا، روس اور اسرائیل پہنچاتے رہے اور کسی مسلمان ممبر پر راز کھل جانے کے بعد اس کو قتل کراتے تھے۔

جب اس تنظیم کی خفیہ سرگرمیوں پر وزارت داخلہ مطلع ہوئی تو اس تحریک کو عبدالقیوم خان کی وزارت داخلہ غالباً ۱۹۷۵ء میں خلاف قانون قرار دیا گیا۔ یہودی سرپرست بھاگ گئے اور متعلقہ مسلمان ممبرز نے توبہ کرلی، اور بلڈنگ پر مسلمانوں نے قبضہ کیا، کہ یہاں ہم جامع مسجد بنائیں گے، مسجد اور کمیٹی بن گئی، جس کی سربراہی کے لئے مولانا اشرف صاحب سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور کا انتخاب ہوا۔ بدقسمتی سے پشاور صدر کا علاقہ سرکاری ہے، جس میں انگریزوں نے چار عیسائی گرجوں اور ایک یہودی گرجا کے لئے زمین وقف کر رکھی تھی اور مسلمانوں کی مسجد کے لئے کوئی قطعہ اراضی نہیں تھا۔ حالانکہ پورا علاقہ مسلمانوں کا تھا اور مسلمانوں سے انگریز حکومت نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ جاگیرداروں اور مسلمان لیڈروں نے مسجد کے لئے کوئی پلاٹ نہ مانگا اور نہ ہی خریدا اور غریب مسلمان کی کون سنتا تھا، صدر کے ہر گرجا کے لئے کافی زمین دی گئی ہے، جبکہ اسی علاقہ میں جو جتنے مساجد ہیں، وہ غریب لوگوں کے چندوں اور ان کی طرف سے وقف شدہ چھوٹے چھوٹے پلاٹوں پر بن چکی ہیں۔

مسجد کمیٹی والوں نے فیصل مسجد کے نام پر یہاں جمعہ اور دیگر نمازیں شروع کرا دیں اور بورڈ زلگوائے، مگر اس وقت کی حکومت یہاں پر کوئی ثقافتی مرکز بنانا چاہتی تھی، اس کشمکش میں صدر ضیاء الحق مرحوم کا دور شروع ہوا، اور مقدمہ چل رہا تھا، آخر میں حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی نے مقدمہ جیت لیا۔ اور حضرت مولانا فقیر محمدؒ اور مولانا سعید الرحمن صاحب کی کوششوں سے یہ پلاٹ صدر ضیاء الحق مرحوم نے دارالعلوم کے لئے وقف کرا دیا۔ فیصل کا نام پہلے اس لئے رکھا گیا کہ شاید سعودی عرب والے اس کو بنائیں گے، ان کو جب درخواست دے دی گئی، تو ان کی طرف سے ۳۰ سے ۳۵ لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا گیا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ اس کے ساتھ عیسائیوں کا نیا گرجا ہے، تو اتنی رقم پر بنی ہوئی مسجد کی شان اس سے کم ہوگی، پھر حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے کراچی کے ایک مرید جو شیخ قاسم درویش قطر کا نمائندہ اور یہاں کی تجارت کا خاص افسر تھا، اس کی وساطت سے شیخ قاسم کو بات پہنچی، چنانچہ شیخ صاحب خود آ گئے، اور یہاں کے محل وقوع کو دیکھ کر تمام اخراجات خود براشت کرنے کا کہہ گئے۔

چنانچہ اس کے نقشہ کے پروگرام کے مطابق ایک جریب سے زائد زمین پر شاندار مسجد بن گئی، جس پر تقریباً ایک کروڑ اور پینتیس لاکھ روپیہ لاگت آئی، اور ہم نے مسجد کا نام جامع مسجد درویش رکھ دیا، اگر چہ وہ خود ان باتوں کو پسند نہیں کرتے تھے، مسجد کی تیار ہو جانے سے پہلے درسِ حدیث دیا کرتا تھا، اور مولانا ضیاء الحق قاسمی جو ائر فورس میں ملازم تھے، وہ جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ مسجد تیار ہو جانے پر حضرت مولانا محمد اشرف اور حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہما اور مسجد کی کمیٹی کی خواہش پر میں نے مسجد کی سرپرستی قبول کر لی۔ اور جمعہ وغیرہ پڑھانے لگا، جو آج تک جاری ہے۔

والحمد للہ علی ذلک۔

۱۹۹۰ء کے انتخابات میں حصہ لینا :

اپنے علاقہ چارسدہ کے علماء کرام کے اصرار اور یہاں پشاور سے حضرت مولانا محمد ایوب جان بنوریؒ کی دعوت جو حضرت مولانا محمد امیر بجلی گھر اور قاضی فضل اللہ اور ساتھ خالد بنوری کے واسطہ اور جرگہ سے ملی کہ :

''تم چارسدہ سے خان عبدالولی خان سربراہ عوامی نیشنل پارٹی کے مقابلہ میں این اے ۵ چارسدہ سے انتخاب برائے قومی اسمبلی میں حصہ لے لو''۔

چونکہ میرا مزاج سیاسی نہیں اور نہ عام سیاسی باتوں سے دلچسپی ہے، اور مقابلہ ایک مشہور لیڈر سے کرنا تھا، جو اپنی پارٹی اور خاندان کے اعتبار سے بہت مشہور اور طاقتور تھے نہایت متفکر رہا اور میری ذہنی پریشانی کی وجہ سے حضرت والد صاحبؒ بھی خوش نہیں تھے جب میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ آف لنڈی ارباب سے مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''جہاد کی نیت سے انتخابات میں حصہ لے لو''۔ اُس وقت افغانستان میں روس کے خلاف جہاد بھی جاری تھا اور فرمایا کہ ''تمہارا مقابل جہاد کا مخالف ہے'' اور جب حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ اسلامیہ کالج کی مجلس میں حاضر ہوا، تو انہوں نے بھی اجازت اور مشورہ دیا۔ جس کی وجہ سے میں نے انتخابات میں حصہ لیا۔ انتخابات میں علماء کرام کی تائید، محنت اور عوام الناس کی حمایت پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیابی ہوئی اور اس فقیر کو ستاسٹھ ہزار ایک سو چار (67104) ووٹ، جبکہ مقابل کو (52827) ووٹ ملے اور تقریباً چودہ ہزار دو سو ستر ووٹوں کا فرق رہا۔ تمام دوستوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، جنہوں نے جانفشانی سے کام کیا تھا، بعض خواتین نے اس کامیابی کے لئے روزے رکھے تھے، اور باہر کے بعض احباب نے اعتکاف اور صدقات کئے تھے، بعض رفقاء نے کہا کہ ''مد مقابل کے ووٹوں میں دس ہزار تک جعلی ووٹ بھی ڈالے گئے''۔ اُس وقت کے ڈپٹی

کمشنر عمر خان آفریدی نے مجھے خود کہا کہ ''اوپر سے نگران وزیراعظم جتوئی اور نگران وزیراعلیٰ میر افضل خان کی طرف سے مجھ پر بڑا دباؤ اور مدمقابل کی کامیابی کے لئے پریشر ہے، مگر ایمان کے تقاضا کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی دباؤ میں نہیں آؤں گا۔ ان شاء اللّٰہ۔

چنانچہ نتیجہ بھی دو تین گھنٹے لیٹ کرایا گیا تھا، اور تقریباً تین بجے رات تاریخ ۲۴؍ اکتوبر بروز بدھ ۱۹۹۰ھ کو اس فقیر کی کامیابی کا اعلان ہوا، اور قومی اسمبلی کے لئے حلقہ این اے ۵ چارسدہ سے منتخب قرار پایا۔ اہم اجلاسوں کے لئے اسلام آباد جاتا رہا اور فیڈرل لاج کمرہ نمبر ۲۲ میں قیام پذیر ہونا پڑتا۔ اس فقیر کی قرارداد اور احباب کی تائید پر اسمبلی میں انگریزی طریقہ پر سلام کرنے کی بجائے اسلامی طرز پر **السلام علیکم** کہنا منظور ہوا، اور اذان کی آواز اسمبلی میں آنا شروع ہوئی، اس وقت وزیراعظم میاں نواز شریف سے ایک خصوصی مجلس میں، میں نے عرض کیا جس میں ہم تین آدمی تھے (تیسرے کا نام ابھی یاد نہیں) اور چائے پی رہے تھے کہ ''میاں صاحب! وزارت آنے جانے والی چیز ہے، آپ سے پہلے بھی وزیراعظم آئے، ان کا کیا حشر ہوا؟ (میرا اشارہ بھٹو کی طرف تھا) آپ سے بھی وزارت جائے گی، آپ ایسا کام کریں جس کی وجہ سے آپ کا ذکر خیر ہو اور آپ کو لوگ نیکی سے یاد کریں'' اور مزید یہ کہا کہ ''حضرت معاویہؓ ۴۰ھ جب متفقہ طور پر خلیفہ ہو گئے، تو آپ نے شام سے حضرت عائشہؓ کے نام مدینہ منورہ خط بھیجا، کہ ''آپ مجھے نصیحت لکھ کر بھیج دیجئے''۔ تو عائشہؓ نے جواب میں لکھا کہ ''اگر آپ ایک خداوند تعالیٰ کو راضی رکھنا چاہیں، تو اس کو راضی رکھنے کی کوشش کرو، لوگوں کے دلوں کا مالک اور مختار وہ ہے، وہ آپ سے لوگوں کو بھی راضی رکھ سکتے ہیں، اور اگر آپ کی نظر لوگوں پر ہو اور اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کی فکر نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ بھی ناراض رہیں گے اور لوگوں کو بھی آپ راضی نہیں کر سکو گے، اس لئے اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش رکھنے کی فکر کرو''۔

تو میاں صاحب نے جواب میں کہا ''آپ دعا کریں'' میں نے کہا ''دعا تو ہم کرتے رہیں گے لیکن عملی ذمہ داری تو آپ کی ہے''۔

یکم ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۴/ جون ۱۹۹۱ء کو اپنی اہلیہ اور جماعت کے ساتھ جس میں مولانا محمد ادریس ترنگزئی اور اس کی والدہ اور ہمشیرہ، قاضی عبدالحکیم اور ان کی اہلیہ اور حاجی سہراب تھے۔ عازم بلاد مقدس ہوگئے۔ بروز جمعۃ المبارک مطابق ۲۱/ جون وقوف عرفات کی سعادت حاصل ہوگئی اور حج اکبر نصیب ہوا، مقام جعرانہ اور تنعیم سے عمرے ادا کیے۔ ۲۱/ ذوالحجہ مطابق ۳/ جولائی کو مدینہ منورہ کی حاضری نصیب ہوئی۔ اور بروز اتوار یکم محرم الحرام ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۴/ جولائی ۱۹۹۱ء کو جدہ سے کراچی اور کراچی سے پشاور واپس آ گئے، ایک مہینہ سفر رہا۔ **وللہ الحمد علی ذلک۔**

متحدہ عرب امارات کا پہلا سفر :

۲۹/ اگست ۱۹۹۱ء مطابق ۱۸/ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ بروز جمعرات ۹/ بجے صبح کو ہوائی جہاز کے ذریعہ پشاور سے دبئ متحدہ عرب امارات روانہ ہوا۔ اور دبئ ائرپورٹ پر گیارہ بج کر چالیس منٹ پر ہوائی جہاز سے اُترا۔ یہ دورہ برادر محترم مولانا رضوان اللہ باجوڑی مدنی مبعوث سعودی عرب راس الخیمہ اور الحاج محمد ظاہر افغانی راس الخیمہ کی دعوت پر ہوا، ٹکٹ ویزا وغیرہ ان کی طرف سے ہوا تھا، ائرپورٹ پر مولانا محمد فہیم، مولانا محمد اسماعیل اور دیگر دوست واحباب جمع تھے، مولانا رضوان اللہ اور الحاج محمد ظاہر اور بعض دوسرے احباب کچھ دیر سے پہنچے، دبئ میں کچھ دیر قیام کے بعد راس الخیمہ روانہ ہوا، خطبہ اور نماز جمعہ مسجد معیریض میں بندہ نے پڑھائی، تقریر اردو میں کی۔ ہفتہ کی رات مورخہ ۳۰/ اگست ۲۰/ صفر کو جامع مسجد عمر بن عبدالعزیز، النخیل راس الخیمہ میں پشتو میں تقریر ہوئی، ہفتہ کے دن ۳۱/ اگست کو مقام رمس پھر الشعم، حدود مسقط عمان دیکھنے گئے۔ پھر طریق مطار

المسافی، الدبا، الخرفقان دیکھتے ہوئے الفجیرۃ کورات گزارنے کے لئے پہنچے، وہاں پر نماز عشاء کے بعد اردو میں تقریر ہوئی۔ کافی تعداد میں علماء اور مقیم پاکستان جمع ہو گئے تھے، الفجیرہ دریائے خلیج عربی کے کنارے، بالمقابل بندرعباس ابنائے ہرمز پر خوبصورت اور سرسبز اور پھولوں سے آراستہ شہر ہے، اتوار یکم ستمبر ۱۹۹۱ء کو "خت" گئے جو گرم پانی کے لئے مشہور مشغلہ ہے، اور لوگ مرد وعورتیں وہاں کے قدرتی گرم پانی میں نہانے کے لئے جاتے ہیں، ہم بھی نہائے، بہت اعلیٰ مقام اور نہانے کے لئے بڑا اچھا انتظام ہے، مردوں کے لئے غسل خانے اور بڑا تالاب ہے، اور عورتوں کے لئے علیحدہ باپردہ انتظام ہے۔ پیر کی رات کو پھر جامعہ عمر بن عبدالعزیز، النخیل میں اردو میں میرا بیان ہوا، شب منگل کو درس قرآن کا پروگرام اُسی جامع مسجد میں رہا۔

منگل ۳ ستمبر ۱۹۹۱ء کو ابوظہبی گئے، جہاں پر رات کو جامع خلفان اور خالدیہ، ابوظہبی میں نماز عشاء کے بعد پاکستانیوں سے پشتو میں تقریر ہوئی، جہاں مولانا دین اصغر صاحب ناظم جمعیۃ العلماء نے دعوت کی تھی، پھر بدھ کے دن جمعرات کی شب کو مسجد جسابر ورۃ المیاہ کے پاس، ابوظہبی میں تقریر کا پروگرام رہا، جمعہ کی رات مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۹۱ء عین محلّہ ضیاعیہ میں نئی جامع مسجد کے افتتاح پر میرا پشتو میں بیان ہوا، جہاں پر اکثر افغان مہاجرین رہتے ہیں، نماز جمعہ اور تقریر سیرۃ کے موضوع پر اردو میں جامع مسجد "الصفا" دبئی میں کی۔

پھر ہفتہ کی رات ۶ ستمبر کو جامع مسجد غریر دبئی شہر کے درمیان اور بازار کے وسط میں نماز عشاء کے بعد "دین اور دنیا کے موضوع پر اردو میں بیان ہوا۔ اتوار کے دن ۸ ستمبر کو عربی میں درس اور سوالات وجوابات جماعۃ الدعوۃ والارشاد کے بڑے مرکز الحمدیہ میں نماز عصر سے مغرب تک ہوا پھر پیر کی رات شارجہ کی جامع مسجد "الدرویش" میں نماز

عشاء کے بعد پشتو میں بیان ہوا۔ جہاں پر مولانا محمد اسرار آف چارپریزہ اور اُن کے وا
بزرگوار خطابت انجام دے رہے ہیں، اُن کی طرف سے پُرتکلف دعوت کا انتظام شارجہ
ایک ہوٹل میں رہا۔ یہاں پر پٹھان رہتے ہیں، اور مسجد میں اکثر پٹھان ہی ہوتے ہیں، تقر
۱۵/دن سیر وسیاحت کے بعد وطن واپسی ہوگئی۔

بنگلہ دیش کا پہلا سفر :

مورخہ ۸/رجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۴/جنوری ۱۹۹۲ء کراچی جانا ہوا، جہاں پروگر
کے مطابق مدرسہ احسن العلوم گلشن اقبال نمبر۲ کراچی میں مولانا مفتی زرولی خان صاحب
دعوت پر ترجمہ قرآن مجید کا ختم کرایا، اور پھر بروز بدھ ۹/رجب کو بہت بڑے اجلاس میں
بخاری شریف کرایا، اور آخری حدیث شریف پر میرا درس ہوا، دو دن بخاری شریف
مختلف مشکل مقامات کا درس بھی دیا۔

پھر تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے ڈھاکہ بنگلہ دیش گیا، جہاں بہت بڑ
اجتماع میں شرکت کے بعد وہاں کے علماء کرام کی دعوت پر مختلف مدارس دیکھے اور چاٹگ
تک گیا، جس کا تذکرہ اجمالاً مندرجہ ذیل ہے۔

بروز منگل ۱۵/رجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۱/جون ۱۹۹۲ء کو صبح جامع مسجد نور باغ م
تالہ تل بی نمبر ۴۳۹ کپل گاؤں ڈھاکہ میں تقریر ہوئی۔

عصر کو جامعہ رحمانیہ محمد پور ڈھاکہ میں بمعرفت مولانا شفیق الرحمٰن تقریر ہوئی
کے بعد رات کو ریل سے چاٹگام روانہ ہوا۔ چاٹگام میں ۱۶/رجب ۲۲/جنوری کو (بمعرفت
شیخ الحدیث محمد اسحاق غازی اور مہتمم مولانا محب اللہ) مدرسہ عزیز العلوم محلہ بابونگر میں تقر
ہوئی۔

جامعہ اسلامیہ ناظر ہاٹ چاٹگام دیکھا، مدرسہ اسلامیہ چاریہ چاٹگام دیکھا، جامعہ اسلامیہ معین الاسلام (قائم شدہ ۱۹۰۱ء بدست ہزاروی۔ جہاں ۳۵۰۰ طالب علم اور ...رکاء دورۂ حدیث ۶۰۰ تھے) میں بیان ہوا، دارالعلوم دیوبند کے بعد اس کی بنیاد رکھی گئی ہے، اوراس کے بعد یہ سب سے بڑا مدرسہ ہے۔

جامعہ مدنیہ کاشف سولک بحر چاٹگام جامعہ اسلامیہ حتیر، چاٹگام، مدرسہ جامعۃ علوم لال خان بازار چاٹگام (مہتمم مفتی اظہار الاسلام مدرسہ ناصرالاسلام فتح پور چاٹگام) نام مدارس دیکھ لئے۔ اور پھر ۲۳ رجنوری مطابق ۱۷ ررجب ۱۴۱۲ھ کو کراچی اور پھر کراچی سے دو دن بعد پشاور آیا، ڈھاکہ جاتے ہوئے دو گھنٹے کے لئے کھٹمنڈو کے ہوائی اڈے پر ...ہے۔

جمہوریہ ازبکستان کا دورہ

۶ ررمضان ۱۴۱۲ھ بروز جمعرات تا ۱۰ ررمضان مطابق ۱۲ر مارچ ۱۹۹۲ء سے ۱۶ر مارچ ۱۹۹۲ء تک جمہوریہ ازبکستان کے دورے پر سرکاری وفد میں رہا جہاں پر تاشقند بخارا، سمرقند اور چند دیگر بستیوں مثل قصر عارفانہ نزد بخارا، مزار بہاؤالدین نقشبندیؒ اور قریہ خواجہ محمد اسماعیل بخاری نزد سمرقند اور امام بخاریؒ کے مزار دیکھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی (اس دورہ کی تفصیل مستقل بھی شائع ہوگئی ہے)

پھر بروز اتوار ۱۶ ررمضان ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۲ر مارچ عمرہ اور اعتکاف کی نیت سے بلاد مقدس روانگی ہوئی اور الحمدللہ عمرہ کی ادائیگی کے بعد اعتکاف کا شرف بھی مسجد حرام میں حاصل ہوا اور زیارت نبوی کے بعد دوبارہ عمرہ شوال میں کیا اور پھر بروز جمعرات ۵رشوال مطابق ۹ر اپریل براہ کراچی، پشاور پہنچا۔ **اللهم ارزقنا هذه السعادة مرة بعد مرة و كل عام وما ذلك على الله بعزيز .**

بروز بدھ یکم ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۳ر جون ۱۹۹۲ء پشاور سے جدہ کے لئے روانگی ہوئی۔ رات کو حیات ریجنسی ہوٹل جدہ میں سعودی حکومت کی طرف سے مہمانی پر قیام رہا اور بروز جمعرات مکۃ المکرّمہ پہنچا۔ عمرہ کی ادائیگی کے بعد فندق مکۃ انٹر کانٹینل ہوٹل میں قیام رہا۔ بروز بدھ ۱۰ر جون کو عرفات میں وقوف ہوا۔ یہ وقوف ادارۃ الحج السعودیا عند موقف النبی ﷺ میں ہوا مسجد الخیف کے ساتھ قصر ضیوف وزارۃ الحج والاوقاف السعودیۃ میں ایام منیٰ کے دوران اقامت رہی بروز اتوار ۱۳ر ذوالحجہ مطابق ۱۴ر جون بذریعہ ہوائی جہاز مدینہ منورہ کی حاضری کی سعادت نصیب ہوگئی اور وہاں شیرٹن ہوٹل فندق المدینہ میں قیام رہا۔ ہفتہ ۲۰ر جون مطابق ۱۹ر ذوالحجہ ہوائی جہاز سے جدہ واپس آ گئے اور حیات ریجنسی ہوٹل جدہ میں ایک دن رہائش کے بعد ۲۱ر جون پیر کی رات صبح کے قریب جدہ سے کراچی روانہ ہوگئے اور ۲۲ر جون شام سات بجے خیر وعافیت کے ساتھ پشاور پہنچ گئے۔ منگل کی رات آٹھ بجے اپنے گھر مدنی محلّہ نزد شوگر ملز چارسدہ پہنچ گئے وللّٰہ الحمد علیٰ ذلک وارزقنا اللّٰہ تعالیٰ العود الی البلاد المقدسۃ للعمرۃ والحج کل عام۔

بنگلہ دیش کا دوسرا سفر:

تقریب ختم البخاری کے لئے ۱۰ر جب ۱۴۱۳ھ مطابق ۴ جنوری ۱۹۹۳ء کو کراچی جانا ہوا یہ تقریب احسن العلوم گلشن اقبال میں منعقد ہوئی پھر ۱۸ر رجب ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۲ر جنوری ۱۹۹۳ء کو تبلیغی اجتماع میں شرکت کرنے کے لئے ڈھاکہ براستہ کھٹمنڈو جانا ہوا اجتماع کے بعد تین دن منگل، بدھ، جمعرات ۲۵/ ۲۶/ ۲۷ر رجب بوھاری جامع مسجد رنگین سٹریٹ گلستان چوک ڈھاکہ میں قیام رہا۔

بروز منگل ۱۴ر رمضان ۱۴۱۳ھ مطابق ۹ر مارچ ۱۹۹۳ء کو براہ کراچی پشاور سے

جدہ روانہ ہوا اور الحمدللہ عمرہ اور اعتکاف عشرۂ اخیر کے لئے مکہ مکرمہ مسجد حرام میں قیام رہا۔ عید الفطر کے دن مدینہ منورہ گیا اور ۲۷ / مارچ ۱۹۹۳ء کو سیدھا پشاور کے جہاز سے وطن پہنچا۔

مورخہ یکم ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ ۲۴ / مئی ۱۹۹۳ء کو براہ کراچی اپنی اہلیہ اور ذکیہ بیگم اور شیر احمد کے ساتھ عازم حجاز مقدس ہوا۔ بروز اتوار ۳۰ مئی کو وہاں یوم عرفہ تھا اور وقوف ہوا۔ **وللہ الحمد علی ذلک** ۔اور ہفتہ ۵ / جون ۱۹۹۳ء کو مدینہ منورہ پہنچ گئے اور جمعۃ المبارک کی نماز کے لئے ۱۱ / جون ۱۹۹۳ء براہ جدہ سے پشاور پہنچ گئے اور سفر بخیر وعافیت اختتام پذیر ہوا۔ اس فقیر کا یہ دسواں اور اہلیہ کا چوتھا حج تھا۔ **اللھم ارزقنا العمرۃ و الحج و الاعتکاف فی المسجد الحرام کل عام** ۔

بشارت کی خواب :

جامعہ امداد العلوم پشاور صدر کے ایک سفید ریش اور معمر اور صالح مدرس مولانا امام مسجد تہکال پایان نے شب بدھ ۱۲ / ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۹ / ستمبر ۱۹۹۳ء کو رات ڈیڑھ بجے ایک خواب دیکھا۔ ان کے بیان کے مطابق کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آسمان سے ایک قبہ کی شکل میں سفید ڈولی اتر آئی اور اسکے دونوں طرف کلمہ طیبہ **لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا میں نے کسی سے پوچھا کہ اس میں کون ہے تو کسی نے کہا کہ اس میں **محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** ہے اس دوران وہ کھل گئی اور ایک سفید ریش مبارک شخص ظاہر ہوئے اور اس نے آکر **السلام علیکم** کہا تو میں نے روتے ہوئے درود شریف پڑھنا شروع کیا اور میں نے کہا کہ آپ آجائیں اور ٹھہریں تو انہوں نے کہا کہ میں پھر آؤنگا اور پھر کہنے لگے کہ ''مولانا حسن جان کیسے ہیں؟'' تو میں نے کہا کہ ٹھیک ہیں پھر فرمایا کہ میری طرف سے ان کو سلام کہیں اور پھر وہ غائب

ہوگئے اور میں خواب سے جاگ اٹھا اور خوشی محسوس کررہا تھا یہ ڈیڑھ اور دو بجے کے درمیان کا وقت تھا۔انتھی بلفظه۔

پھر صبح اس نے مجھے کہا کہ ایک امانت اور پیغام آپ کو پہنچانا چاہتا ہوں اور یہ سلام نبی ﷺ نے بھیجا ہے، میں بھی فرط محبت، شوق اور اعزاز و اکرام پر اللہ تعالیٰ کا حمد اور شکریہ ادا کرنے لگا کہ میں تو اس اعزاز و اکرام کا لائق نہیں ہوں یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔(وللہ الحمدو الشکر علی ذلک)۔

بروز جمعرات ۲۴/۲/۱۹۹۴ء مطابق ۱۲/رمضان ۱۴۱۴ھ برائے ادائیگی عمرہ اسلام آباد سے جدہ گئے، الحمدللہ عمرہ اور اعتکاف عشرۂ آخیر اور زیارت نبوی ﷺ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد بروز جمعرات ۱۷/۳/۱۹۹۴ء مطابق ۴ شوال ۱۴۱۴ھ جدہ سے اسلام آباد بوقت عصر پہنچ گئے اس سفر میں والد بزرگوار ساتھ رہے۔وللہ الحمد علی ذلک۔

بروز بدھ شب جمعرات ۱۱/۵/۱۹۹۴ء مطابق ۲۹/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ اسلام آباد سے عازم جدہ ہوگئے، یہاں پر رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے دار الضیافۃ منیٰ قریب مسجد خیف میں رہے، دوسرے پاکستانی علماء بھی تھے۔

بروز جمعۃ المبارک ۲۰/۵/۱۹۹۴ء کو وقوفِ عرفہ ہوا اور اس طرح حج اکبر کی سعادت سے سرفراز ہوئے، حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد زیارت نبوی کے لئے عازم مدینہ منورہ ہوگئے۔۲/۶/۱۹۹۴ء مطابق ۲/ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ حسب تقویم پاکستان بوقت عصر جدہ سے اسلام آباد پہنچ گئے۔وللہ الحمد علی ذلک۔

متحدہ عرب امارات کا دوسرا سفر :

بروز بدھ ۱۷/۸/۱۹۹۴ء مطابق ربیع الاوّل ۱۴۱۵ھ کو پاکستان ایسوسی ایشن دبئی کی دعوت پر ناظم غازی مرجان اور صوبیدار حاجی عبدالجلیل کے ہمراہ پشاور سے صبح عازم

دبئی ہوا، نمازِ جمعہ مدرسہ تحفیظ القرآن جامع مصعب بن عمیرؓ مشہور مدینہ مسجد (جس کے مہتمم صوبیدار عبدالجلیل تھے) میں پڑھایا، پھر مرکز ثقافت پاکستان شب اتوار ۱۳ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ کو دبئی سے پشاور واپسی ہوئی۔ ۱۳ رمضان ۱۴۱۵ھ ۱۳ فروری ۱۹۹۵ء برائے ادائیگی عمرہ براہ کراچی پشاور سے عازم مدینہ ہوا۔ اور بروز اتوار ۲۰ رمضان حجاز مقدس سے واپس مکۃ المکرمہ پہنچا، اور عشرۂ اخیرہ میں بالمقابل حطیم برآمدۂ قدیم میں اعتکاف کی سعادت سے مشرف ہوا، اور بروز منگل ۶ شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۹۵ء براہ کراچی بوقت عصر پشاور پہنچا، اور نماز مغرب کے لئے گھر بخیر وعافیت آیا۔ **وللّٰہ الحمد علی ذلک۔**

۱۱ رمضان ۱۴۱۶ھ کو پشاور سے عازم جدہ ہوگیا اور پھر روضۂ اطہر کی زیارت اور عمرہ کی سعادت سے مشرف ہوگیا اور مسجد حرام میں اعتکاف کی سعادت حاصل کی، اور ۳ شوال کو براہ دبئی جدہ سے روانہ ہوگئے، دبئی تقریباً دس دن کے قیام کے بعد پشاور آگئے، **وللّٰہ الحمد علیٰ ذلک۔**

دورۂ جنوبی افریقہ :

بروز چہار شنبہ ۱۳ رجب ۱۴۱۷ھ، مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۹۶ء کو براستہ دبئی جنوبی افریقہ روانہ ہوگئے، دبئی میں دن گزارنے کے بعد رات سوا گیارہ بجے دبئی سے جوہانسبرگ روانہ ہوگئے۔ اور صبح سوا آٹھ کو طویل سفر کے بعد پہنچے، پھر نیو کاسل روانہ ہوگئے۔ مختلف مدارس میں چھ بار ختم بخاری شریف کا درس دیا اور تقاریر یں کیں، اور ایک ماہ کے بعد مصر گئے، اہرامِ مصر، جامع ازہر، صحرائے سینا، جبل طور، وادی مقدس وغیرہ دیکھے، پھر عازم حجاز ہوگئے، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں قیام کے بعد ۲۲ جنوری ۱۹۹۷ء مطابق ۱۴ رمضان ۱۴۱۷ھ وطن واپس آگئے، **وللّٰہ الحمد علی ذلک۔**

اس سفر کے مفصل احوال علیحدہ بھی لکھے ہیں۔

۲۳؍رمضان ۱۴۱۷ھ مطابق ۲؍فروری ۱۹۹۷ء بروز اتوار بحیثیت ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی تقرری ہوگئی۔ بروز بدھ ۶؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴؍مئی ۱۹۹۷ء صبح ۱۰ بجے اسلامی نظریاتی کونسل کا اجلاس ہوا، اور افتتاحی اجلاس کے لئے صدر پاکستان فاروق احمد خان لغاری خود آئے، میرے ساتھ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مہتمم دار العلوم کراچی بھی ممبر بن گئے، ان کے علاوہ کل ۱۸ ممبر تھے۔ بروز اتوار ۱۱؍جنوری ۱۹۹۸ء عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے عازم حجاز مقدس ہوا۔ حاجی صاحب شاہ سکندر ٹاؤن پشاور ساتھ رہے۔ ابتدائی ایام مکۃ المکرمہ میں گزارے اور آخری عشرہ ہمیں مسجد نبوی شریف کے باب عمر میں اعتکاف ادا کیا۔

۸؍فروری ۱۹۹۸ء بروز اتوار براستہ پشاور صبح دبئی پہنچا۔ ایک دن قیام دبئی میں رہا۔ بروز بدھ ۲۵؍ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۵؍مارچ ۱۹۹۸ء کو امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاھد حفظه الله تعالىٰ کی دعوت پر مولانا شیر علی شاہ صاحب اکوڑہ خٹک اور مولانا حمد اللہ جان صاحب ڈاگئی کے ہمراہ پشاور سے اسلام آباد کوئٹہ، چمن، قندھار برائے حج وعمرہ روانہ ہوگئے۔ اور بروز جمعۃ المبارک ۲۷؍ذوالقعدہ تقریباً تین بجے ظہر آریانا ائرلائن کے ذریعے عازم حجاز مقدس ہوگئے اور الحمد للہ مناسک حج وعمرہ کی ادائیگی کے بعد براہ کابل بروز ہفتہ ۲۷؍ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۵؍اپریل صبح پشاور واپس پہنچ گئے۔

سفر کینیا:

بروز اتوار مورخہ ۱۶؍شعبان ۱۴۱۹ھ مطابق ۶؍دسمبر ۱۹۹۸ء برائے سفر کینیا، نیروبی روانہ ہوا، وہاں غریلسا کے دار الایتام میں مولانا مطیع رسول علوی کی دعوت پر خطاب کیا، اور نیشنل پارک کی سیر وسیاحت کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز گیا۔

۸ر دسمبر کو واپس جدہ اور پھر مدینہ منورہ میں تقریباً بیس دن قیام کے بعد مکہ مکرمہ برائے عمرہ و اعتکاف گیا اور بروز ہفتہ ۲۳ر جنوری ۱۹۹۹ء مطابق شوال ۱۴۱۹ھ وطن واپس پہنچا۔ وللہ الحمد علی ذلک۔

شب ہفتہ ۲۰ر مارچ ۱۹۹۹ء مطابق یکم ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ عازم حجاز مقدس ہوا، وہاں بروز جمعہ ۲۲ر مارچ مطابق ۹ر ذوالحجہ وقوف عرفات ہوا، اور حج اکبر کی سعادت حاصل ہوئی اور بروز جمعۃ المبارک ۲ر اپریل مطابق ۱۴ر ذوالحجہ دس بجے پشاور واپس آیا۔

سال ۱۴۲۱ھ میں ملا محمد عمر المجاہد امیر المؤمنین افغانستان کی ضیافت پر ہم چار ساتھیوں بندہ فقیر، مولانا محمد فرید، مولانا شیر علی شاہ صاحب اور مولانا مغفور اللہ صاحب اکوڑہ خٹک والے نے حج کی سعادت حاصل کر لی۔

۴ر رمضان ۱۴۲۳ھ کو عمرہ کے مناسک کی سعادت حاصل کرنے کے لئے جدہ پہنچا، مسجد حرام میں پانچ دن اعتکاف اور پھر آخری عشرہ کے لئے مدینہ منورہ گیا دونوں جگہ اعتکاف کی سعادت حاصل ہوگئی۔ اور پھر ۶ر شوال کو جدہ سے بذریعہ ہوائی جہاز سیدھا پشاور پہنچا۔ (وللہ الحمد علی ذلک)۔

امام بخاریؒ کے دیس میں چند روز :

مورخہ ۲۰ر مارچ ۱۹۹۹ء بروز منگل مطابق ۴ر رمضان ۱۴۱۲ھ کو گھر (چارسدہ) سے اطلاع ملی کہ اسلام آباد پی آئی اے کے ہیڈ آفس سے جنرل منیجر نے ازبکستان جانے کے لئے آپ کا پاسپورٹ اور چار عدد فوٹوں مانگے ہیں، وزیر اعظم کی ہدایت پر آپ کا نام وفد میں شامل کیا گیا ہے۔ اس وقت میں پشاور ہشت نگری گیٹ میں حاجی محمود صاحب کی دکان پر کسی کام کے سلسلہ میں بیٹھا تھا، میں نے خود اسلام آباد سے رابطہ کر لیا، جنرل منیجر صاحب سے رابطہ ہونے پر معلوم ہوا کہ تاشقند اور اسلام آباد کے درمیان ہوائی سروس کی

افتتاحی تقریب کی مناسبت سے آپ کا نام خصوصی ہدایات کے مطابق شامل کر لیا گیا ہے، لہٰذا آپ آج ہی پاسپورٹ اور چار عدد تصاویر اسلام آباد پہنچا دیں تا کہ کل ویزا لگوائیں اور پرسوں بروز جمعرات مورخہ ۱۲ر مارچ کو آپ وفد کے ہمراہ پہلی پرواز میں جاسکیں۔ چنانچہ سوا بارہ بجے اسلام آباد روانہ ہوا، اور مطلوبہ اشیاء حوالہ کر دینے کے بعد گھر واپس پہنچا، پھر پروگرام کے مطابق [illegible] مورخہ ۱۲ر مارچ ۱۹۹۲ء اسلام آباد ائیر پورٹ پہنچا' سرکاری کاروائی کی تکمیل اور ہوائی اڈہ پر افتتاحی تقریبات انجام پذیر ہونے کے بعد تقریباً ساڑھے گیارہ بجے صبح کو اسلام آباد سے تاشقند کے لئے پہلی پرواز پر روانہ ہو گیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہر ہفتہ کو جمعرات کے دن اسلام آباد سے تاشقند کے پی آئی اے کی دوطرفہ پرواز ہوگی اور تاشقند سے کراچی کے لئے ہر اتوار کو وہاں کی دوطرفہ پرواز ہوگی۔

سفر کے دوران عملہ کی طرف سے مختلف معلومات فراہم ہوتی رہیں، ایک بج کر چالیس منٹ ظہر کے وقت تاشقند کے بین الاقوامی ہوائی اڈہ پر اُترے۔ استقبال کے لئے سرکاری لوگ اور رنگ برنگ لباسوں میں ثقافتی اور فن کار طائفے گلدستے لے کر انتظار میں کھڑے تھے۔ ان کی سرکاری تقریبات کے مطابق مختلف مظاہرے ہوئے جو وفد کو محظوظ کر گئے، انہوں نے ہم مہمانوں کو پھولوں کے گلدستے بھی پیش کئے۔ وہ اس نئے تعلقات کے قیام پر کافی خوش ہو رہے تھے، تاشقند کا ہوائی اڈہ بڑا وسیع اور جہازوں سے بھرا ہوا تھا، سنا ہے کہ یہاں ہوائی جہاز بنتے ہیں اور آزادی کے بعد تقریباً تین سو سے زیادہ ہوائی جہاز ان کے ہاں باقی رہے۔ یہاں ہوائی اڈہ پر سرکاری تقریبات اور دوسری کارروائی کے مکمل ہو جانے پر ہم سیاحت کے لئے مخصوص اور اعلیٰ قسم کی بسوں میں شہر کی طرف ازبکستان ہوٹل روانہ ہو گئے۔ یہ ہوٹل سرکاری مہمانوں اور سیاحوں کے لئے شہر کے درمیان ایک بلند مقام پر پندرہ منزلہ عمارت ہے، جو نئی طرزِ تعمیر پر آسائش، ہر قسم کی سہولت اور حسن و جمال کا ایک

خوبصورت شاہکار ہے۔ ہمارے اس وفد میں کافی ساتھی تھے، جن میں ۶ سینیٹرز، ۸ نیشنل اسمبلی کے ممبران، صحافی، ٹی وی اور ریڈیو کے نمائندے، کچھ صنعتکار اور آفیسرز شامل تھے۔ ہر ایک کو مستقل کمرہ دیا گیا، چھٹی منزل پر میرا قیام کمرہ نمبر ۶۲۲ میں رہا اور فون نمبر ۳۲۰۶۱۹ تھا۔ ہر کمرہ ٹیلیفون، ٹی وی اور دیگر جملہ مروّجہ ضروریات سے آراستہ تھا۔

تاشقند کی سیر :

ہوٹل میں کچھ دیر آرام کے بعد تاشقند شہر کے نئے حصے دیکھنے کا پروگرام تھا۔ چنانچہ ساڑھے چار بجے سیاحت کی بسوں میں شہر دیکھنے کے لئے روانہ ہوگئے، پیٹرول اور بجلی سے چلنے والی بسیں، ٹرام اور زمین دوز بجلی سے چلنے والی ریل گاڑیاں، روسی ساخت کی کاریں، خاموشی سے گھومنے والے مرد عوتیں اور سٹاپوں پر انتظار کرنے والے مخصوص گرم لباسوں میں سرخ وسفید چہرے نظر آرہے تھے۔ درخت پھل پھولوں سے لدے ہوئے تھے، ایک اسلامی مدرسہ دیکھا جو سولہویں صدی عیسوی میں بن چکا تھا، جو پہلے بند رہا تھا، اب کھول دیا گیا ہے، اس میں ایک جامع مسجد ہے قرآنی آیات اور عربی تحریر جگہ جگہ کندہ ہے اور اب دوبارہ اس کی مرمت اور تزئین وآرائش شروع ہوگئی ہے۔ ہر سیاحت کی بس میں ایک ترجمان نوجوان عورت ہوتی ہے جو انگریزی میں مختلف مقامات اور عمارتوں کی تاریخ، تعریف، حقیقت اور اہمیت بتلاتی رہتی ہے، یہ سرکاری طور پر مقرر ہوتی ہے۔ رات کو ہوٹل میں افطاری کے بعد ۸ سے ساڑھے دس بجے تک عشائیہ کا پروگرام رہا، جن میں حکومت ازبکستان کے چند وزراء، مسلمانوں کی طرف سے مفتی اعظم مولانا محمد صادق، دیگر معززین شہر اور ہمارے وفد کے ارکان شامل تھے۔ مجلس میں تقریریں، غزلیں اور فنکاروں کے مختلف مظاہرے اور ساحرانہ کرتب لوگوں کو محظوظ کرتے رہے اور ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک طرف خاموش بیٹھے رہے۔

جمعۃ المبارک مورخہ ۱۳؍ مارچ ۱۹۹۲ء بمطابق ۷؍ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ کو دوبارہ تاشقند شہر دیکھنے اور نماز جمعہ پڑھنے کے لئے پروگرام رہا۔ چنانچہ پرانے شہر میں ایک بڑی جامع مسجد دیکھی جو جامع طلائی کے نام سے مشہور ہے، اس کے خطیب استاذ قاری عبدالشکور سے عربی میں گفتگو ہوئی، جو بخارا کے مدرسہ میں عربی اور پھر معہد اسلامی تاشقند کے فارغ التحصیل تھے، وہ روانی کے ساتھ عربی بول سکتے تھے، اب یہاں اس جامع مسجد میں قائم شدہ مدرسہ تحفیظ القرآن میں پڑھاتے بھی ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ تین سال سے تبلیغی حضرات آنا شروع ہو گئے ہیں اور اب کافی لوگ اسلام میں دلچسپی لینے لگے ہیں۔

جامع طلائی سے باہر شمال میں ایک پرانی طرزِ تعمیر اور اونچی عمارت واقع ہے، جو ادارۂ شئون دینیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ہم اس میں بھی گئے۔ پرانی طرزِ تعمیر اور اونچی اور اعلیٰ قسم کی اس بلڈنگ پر حیرت زدہ ہو گئے۔ اب دوبارہ اس کی مرمت ہو رہی ہے، پھر مشرق کی جانب معہد اسلامی دیکھا اور اس میں لڑکیوں کے لئے معہد البنات بھی دیکھا جہاں مسلمان لڑکیاں دینی تعلیم حاصل کرتی ہیں، ہمارے اندر جانے پر وہ ایک طرف پردہ میں ہو گئیں، اس عمل پر ہمیں بہت خوشی ہوئی، اس کے قریب اور باہر حضرت امام ابوبکر قفال شاشی (جو ایک عظیم حنفی، فقیہ اور مشہور بزرگ تھے) کا مزار ہے، جو ایک عظیم عمارت اور گنبد میں واقع ہے، پھر کل والی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی، نمازیوں کا بڑا مجمع تھا، ہجوم کے بناء پر ہم باہر کھڑے رہے، سڑکوں تک لوگ نماز میں مصروف تھے اور بعض مقامی اور سیاح لوگ نمازیوں کا تماشا دیکھتے رہے، قرأت اور خطبہ لاؤڈ سپیکر پر ہوا، اور نماز کے بعد ایک قاری بہت خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ تلاوت کرتا رہا، پھر نماز جمعہ کے بعد ہم فوراً دوبارہ نئے شہر کی سیر کے لئے نکلے، تاشقند کا مشہور عجائب گھر دیکھا، جس میں جمہوریہ ازبکستان اور دیگر ریاستوں کے نوادرات نئی اور پرانی مصنوعات، مجسمے، مختلف قسم کے قالین، برطانیہ اور

دوسرے ممالک کے عیسائی بادشاہوں، خواتین اور بچوں کی تصاویر ملبوس اور عریاں شکل میں موجود ہیں۔ پھر میوہ بازار گئے جو بڑے عظیم الشان گنبد نما بلڈنگ میں واقع ہے، جہاں ہر قسم کی ترکاری، تازہ اور خشک میوہ اور گوشت وغیرہ نہایت ارزاں ملتا ہے، عام چیزیں سستی ہیں چھوٹا گوشت ہمارے پاکستانی روپوں کے حساب سے ۱۵ روپے فی کلو ملتا ہے، پھر ڈالر بازار گئے جو سرکاری مارکیٹ ہے اور یہاں باہر کا مال بکتا ہے، خریداری ڈالروں سے ہوتی ہے یا روبل کے ساتھ کوپن بھی دینا پڑتا ہے، بعض ساتھی چیزوں کی خرید وفروخت میں لگے رہے، مارکیٹیں بند جگہ میں ہوتی ہیں، سڑکوں کے کنارے، تاشقند میں دکانیں نظر نہیں آتیں، البتہ بس سٹاپ کے پاس چھوٹے چھوٹے کیبن ہوتے ہیں جہاں چائے اور دوسرے مشروبات ملتے ہیں۔ دکانوں میں اور دیگر مقامات پر ملازمین اکثر عورتیں ہوتی ہیں، کوپن کے ساتھ چیزیں ارزاں ملتی ہیں۔ رات کو دوبارہ ہوٹل میں عشائیے کا پروگرام تھا، مفتی ازبکستان مولانا محمد صادق بھی شریک ہوئے، ان کی خواہش تھی کہ آج رات تاشقند کی ایک بڑی جامع مسجد میں (جو جامع زین الدین کے نام سے مشہور ہے) ختم قرآن کی تقریب ہے، وہاں ہمارے ساتھ آپ جائیں۔

چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق عشائیہ کے بعد ان کی کار میں ان کے ساتھ جامع زین الدین گئے، ختمِ قرآن کے بعد عربی میں میرا بیان ہوا اور مفتی صاحب نے ازبکی زبان میں ترجمہ کیا۔ مفتی صاحب جمہوریہ عرب لیبیا میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور مسلمانوں کے مذہبی اُمور کے مفتی ہیں، رمضان عیدین اور دیگر اُمور ان کے فتاویٰ اور حکم کے مطابق انجام پذیر ہوتے ہیں۔ تراویح کے دوران، امام صاحب ہر چار رکعت کے بعد کسی سے بآواز بلند ''سبحان الملک القدوس سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والھیبۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت سبحان الملک الحی

الذی لاینامُ و لایموت الخ"۔کاذکرکراتے رہے۔

بخاراکاسفر :

بروز ہفتہ مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۹۲ءکوصبح سپیشل چارٹر ہوائی جہاز سے ۹:۴۵ بجے بخارا کے لئے روانگی ہوئی جو جمہوریہ ازبکستان کا قدیم شہر ہے، اسلامی علوم وفنون کا مرکز رہا ہے اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا شہراور درسگاہ ہے۔ یہ شہر تاشقند سے شمال مغرب کے طرف ۵۷۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ جہاز سے برف پوش پہاڑ اور پانی کی جھیلیں، دیہات، بڑے بڑے گاؤں، کھیت اورنہریں صاف صاف دکھائی دیتے ہیں۔تقریباًایک گھنٹہ بعد دس بجکر پینتالیس منٹ پر بخارا پہنچ گئے۔سیاحت کی مخصوص بسیں اور رہبر عورتیں اور دیگرلوگ انتظار میں کھڑے تھے، ہماری بس کے ڈرائیور کا نام نعیم اور رہبر عورت کا نام گل چہرہ تھی، دونوں مسلمان تھے۔رہبر عورت پروگرام کے مطابق راستہ میں تعمیرات اور محلات کے نام بتلاتی رہی، فارسی بھی جانتی تھی، کہنے لگی کہ "سمرقند صیقل زمین است و بخارا مرکز قوت دین است" پھر کہنے لگی کہ سمرقند کی مسلمان عورتیں نیم حجاب کرتی ہیں اوران کے حسن میں بناوٹ ہے، جبکہ بخارا کی مسلمان عورتیں سروں پر رومال باندھتی ہیں، اوران کے حسن فطری ہے۔ میں نے فارسی میں پوچھا کہ بخاراکو بخارا کیوں کہتے ہیں؟ تو کہنے لگی کہ بخارااصل میں وہ "خارا" ہے جوقدیم سنسکرت لفظ دی گارایا قارا ہے پھرلوگوں کے لب ولہجہ اور علاقے کے اثر سے بخارابن گیااوراس کالفظی معنی معبداورخانقاہ ہے جو یہاں بخارامیں قدیم مشرکوں کا مرکز تھااور یہاں اطراف واکناف سے لوگ آیاکرتے تھے۔اس معبد کی جگہ آٹھویں صدی عیسوی میں مسجد بن گئی اور پھر وہاں ہم گئے اوراب بھی اس بت کدہ کی جگہ ایک پرانی مسجد ہے، جو بارہویں صدی عیسوی میں بن چکی ہے۔

ہوائی اڈہ سے باہرایک جامع مسجد ہے جامع بالائے حوض کے نام سے مشہور ہے،

اور اس میں لکڑی کے بنائے ہوئے منقش چالیس ستون ہیں۔ اور مسجد کے احاطے سے باہر قدیم بڑا منارہ ہے۔ یہاں جامع مسجد امیر بخارا' میر عالم بہادر کے حکم سے ۱۲۲۴ھ میں بنوائی گئی ہے، جو نقش و نگار کا حسین مرقع ہے جو پہلے بند رہی اب چند روز سے اس میں نمازیں شروع ہو گئی ہیں۔ جامع مسجد سے قریب مغرب کی جانب امیر اسماعیل سامانائی مرحوم کا کونسل ہال دیکھا جو ۱۹ویں صدی عیسوی میں بنا تھا۔

بخارا میں جہاں پر حضرت امام بخاری درس حدیث دیا کرتے تھے ایک بہت بڑا مدرسہ ہے جو مدرسہ میر عرب کے نام سے مشہور ہے جو یمن کے ایک بزرگ صوفی شیبانیَ النسل نے بنایا تھا اور ان کا نام شیخ عبداللہ یمنی تھا اور اب وہ اس مدرسے کے ایک کونے میں مدفون ہیں اور ان کی نسبت سے یہ مدرسہ ''مدرسہ میر عرب'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس مدرسہ میں تقریباً چار سو طالب علم مختلف ریاستوں کے مسلمان زیر تعلیم تھے، اور ۲۵ استاد تھے، ابتدائی مدر میں۔ اور اس میں حفظ قرآن کا شعبہ بھی ہے، مدرسے کے مدیر کا نام صلاح الدین ہے، مدرسے کے بالمقابل مغرب کی جانب ایک بہت بڑی جامع مسجد ہے۔ جامع مسجد کے خطیب کا نام مولانا جان محمد تھا، نوجوان تھے اور عربی آسانی سے بول سکتے تھے۔ داڑھی منڈوائی ہوئی تھی میں نے کہا کہ آپ اتنی بڑی جامع مسجد کے خطیب اور لوگوں کے مقتدا ہیں، آپ داڑھی کیوں منڈواتے ہیں؟ آپ داڑھی رکھیں تا کہ دوسرے مسلمان بھی رکھیں، تو انہوں نے کہا کہ پھر داڑھی نہیں منڈواؤں گا، پھر انہوں نے جامع مسجد اور مدرسے کی پوری تاریخ اور روئیداد سنائی، ان کے بیان کے مطابق پہلے جمعۃ المبارک کی نماز میں تیس چالیس آدمی ہوتے تھے، اور اب ہر جمعہ میں تین چار ہزار تک مسلمان ہوتے رہتے ہیں، تین سال پہلے پاکستان سے کچھ لوگ یہاں آئے تھے اور اب تبلیغ والے بھی آنے لگے ہیں اور بخارا میں ان کا مرکز بھی ہے۔ بخارا میں ۸۰ فیصد مسلمان اور باقی عیسائی

یہودی روسی ہیں، یہودیوں کا ایک اور عیسائیوں کے دو گرجے ہیں۔ اب یہود اسرائیل منتقل ہونے لگے ہیں۔ یہ جامع مسجد اور مدرسہ شہر کے پرانے حصے میں واقع ہیں اور اس محلے کا نام طاقہ صرافان (محلّہ زرگران) ہے۔ جامع مسجد ۱۹ ویں صدی کی ہے آج کل اس کی مرمت ہو رہی ہے، جامع مسجد اور مدرسہ کے درمیان جنوب کی طرف مزار عبید اللہ خان بھی واقع ہے جو بخارا کے امیر گزرے ہیں۔ بخارا شہر کے قدیم حصہ میں مدرسہ الغ بیگ ہے، جو پندرہویں صدی میں قائم ہوا تھا' اور مدرسہ عبدالعزیز بھی ہے، جو بارہویں صدی عیسوی میں قائم ہوا تھا، یہاں پر ایک پرانی مارکیٹ دیکھی جو دکان عبداللہ خان کے نام سے مشہور ہے۔ شیعہ فرقے کا ایک مدرسہ بھی ہے جو مدرسہ نادر یوان بیگ کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس کے صدر دوازے پر منقش تصاویر ہیں، ایک پرانی عظیم جامع مسجد بھی جو مسجد حوض سے مشہور ہے اس شیعہ مدرسہ اور جامع مسجد (واقع حوض کے کنارہ) درمیان تفریح گاہ ہے، اور ایک بڑا تالاب اور نہر ہے، یہاں پر لوگ تفریح کے لئے آتے ہیں اور چیزیں خریدتے ہیں، یہاں پر ایک ازبکی معمر شخص کا بڑا مجسمہ بھی ہے جو گدھے پر سوار ہے اور اسلامی طرز کا سلام پیش کرتا ہے۔ بخارا کے جدید شہر میں سیاحت ہوٹل میں ٹھہرانہ اور نماز ظہر کے بعد بعض ساتھی بازار گئے۔ اور ہم چند ساتھی اپنی بس میں خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبندیؒ کے مزار کی زیارت کے لئے ان کے گاؤں قصر عارفانہ روانہ ہو گئے، جو بخارا شہر سے ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر مشرق کی جانب واقع ہے۔ راستے میں سڑک کی دونوں طرف مسلسل آبادی اور زرعی اراضی ہے، زمین کاشت شدہ ہے۔

مقبرہ خواجہ بہاؤالدینؒ :

خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر چار دیواری کے اندر ہے۔ قبر باہر سے نظر نہیں آتی، صرف

قبر کے اوپر قبہ نما پتھر نظر آتے ہیں اور اندر جانے کے لئے چاردیواری میں کوئی راستہ بھی نہیں، چاردیواری سے باہر کافی بزرگوں کی قبور ہیں۔ اور ایک بڑا ہال اور برآمدہ ہے اور ساتھ ایک پرانی اور بڑی جامع مسجد ہے۔ جامع مسجد کے خطیب سے ملے، جن کا نام الحاج مختار عبداللہ تھا اور معمر شخص تھے، عربی آسانی اور روانی سے بولتے تھے، بخارا کے مدرسہ میر عرب سے فراغت کے بعد تاشقند کے معہد اسلامی میں پڑھ چکے تھے اور پھر شام کی کلیة الشریعه سے ڈگری لے چکے تھے۔ اور ۳۲ سال سے مدرسہ میر عرب میں استاد تھے۔

کمیونسٹ دور کی عجیب داستان :

خطیب صاحب کے بیان کے مطابق، خواجہ صاحب کی جامع مسجد میں ڈھائی سال سے نمازیں شروع ہوگئی ہیں جو پہلے بند رہی تھی۔ آپ نے کہا کہ جب یہاں کمیونسٹ آ گئے تو علماء اور دیندار مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر گولیوں سے چھلنی کر دیا کرتے تھے، نکاح، نماز جنازہ اور قرآن پڑھنے پر مکمل پابندی تھی۔ ہم رات کے وقت چھپ کر یہ دینی رسوم ادا کیا کرتے تھے۔ گھروں کے دروازوں پر پہرے دار کھڑے کیا کرتے تھے اور رات نصف شب کو گھروں کے اندر قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، پھر سٹالن کے آخری دور میں نکاح اور نماز جنازہ پر عائد پابندی اُٹھادی گئی، پھر خروشچیف نے بھی کچھ آزادی دے دی مگر دین اور قرآن مجید کی تعلیم پر مکمل پابندی رہی لیکن اس کے باوجود علماء کرام نے ہمت نہیں ہاری، وہ گھروں میں رات کے وقت قرآن مجید اور دینی تعلیمات پڑھانے کے لئے جایا کرتے تھے، الحمد للہ اب مساجد اور مدارس کھلنے لگے ہیں اور ان کی مرمت شروع ہوگئی ہے۔ خانقاہ کے احاطہ میں ایک حوض ہے جو حوض شربت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے سرہانے دیوار سے باہر جو کتبہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے آپ کا اصل نام جلال الدین تھا اور آپ اس گاؤں ''قصر عارفانہ'' میں ماہ محرم ۷۱۳ھ میں پیدا ہوئے

اور ۱۹۱ے ھ میں وصال فرما گئے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت امام جعفر صادقؒ سے جا کر ملتا ہے اور آپ نقشبندی طریق تصوف کے مؤسس ہیں۔ بخارا شہر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ عبدالعزیز الغ بیگ اور بادشاہ تیمور لنگ، افراسیاب اور سعید عالم خان جیسے مشہور زمانہ لوگ پیدا ہوئے ہیں۔

بخارا کی آبادی تقریباً تین لاکھ ہے اور قدیم شہر پرانے طرز کے ہیں، جبکہ نیا شہر بہت بڑا اور وسیع علاقے پر مشتمل پارکوں اور شاہراہوں کے درمیان واقع ہے۔ پندرہ سولہ منزلوں پر ہوٹل، دفاتر مشتمل ہوتے ہیں۔ باغات، درخت اور ہر طرف سرسبزی شہر کے حسن و جمال اور رونق میں اضافہ کرتا ہے۔ مارکیٹوں میں اکثر مرد عورتیں السلام علیکم کہتے ہوئے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہیں۔ پہلے برائے نام مسلمان تھے، اب ان میں قرآن مجید کی تعلیم اور دین کی طرف رغبت اور نماز روزہ کی پابندی شروع ہوگئی ہے۔ بخارا شریف سے ساڑھے چار بجے اسی دن عصر کے وقت ہوائی جہاز سے تاشقند کے لئے واپس روانہ ہو گئے، اور ایک گھنٹہ میں تاشقند واپس پہنچ گئے۔

سمرقند شہر باغ و بہار :

بروز اتوار مورخہ ۱۵ر مارچ ۱۹۹۲ء کو صبح ۹:۴۵ بجے سپیشل چارٹر جہاز کے ذریعہ تاشقند سے سمرقند کے لئے روانہ ہو گئے، ساڑھے دس بجے سمرقند ائیر پورٹ پر اُتر گئے، تاشقند اور سمرقند کے درمیان ۲۵۵ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ ہوائی جہاز سے برف پوش پہاڑ اور دریا نظر آتے تھے اور باقی علاقہ پورا سرسبز، آباد اور دیہاتوں پر مشتمل نظر آتا رہا۔ سمرقند کے معنی ہیں میوہ اور شکر، یہ علاقہ باغات اور ہر قسم کے پھلوں کا مرکز ہے، یہ شہر بھی بخارا کے روڈ پر شمال مغرب میں واقع ہے۔ سمرقند کی آبادی تقریباً چار لاکھ اور پرانی طرز تعمیر کا مجموعہ ہے۔ یہاں پرانی اسلامی یادگاریں زیادہ ہیں اور سیاحت کا مرکز بھی یہی علاقہ ہے، بخارا کی بہ

نسبت زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ سیاحوں کی آمد ورفت رہتی ہے اور ہر جگہ باہر کے مرد وزن کی ٹولیاں دکھائی دیتی ہیں۔ سمرقند کا ہوائی اڈہ ہموار زمین پر ہے اور شہر جنوب کی طرف ٹیلوں پر نشیب وفراز کی صورت میں پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ پہاڑ برف سے ڈھکے ہوئے تھے اور شہر کی بعض گلیوں میں بھی برف پڑی ہوئی تھی۔ شہر میں سب سے پرانی مسجد جو مسجد خضر کے نام سے مشہور ہے، ایک چوک کے قریب ٹیلے پر واقع ہے۔ یہ دسویں صدی عیسوی میں بنی تھی، جو اب تک باقی ہے۔ ایک دوسری پرانی مسجد بھی ہے جو تیمور لنگ بادشاہ کی خوبصورت اور چہیتی بیوی نے بنوائی ہے اور اس کا نام ہے ''مسجد بی بی خانم'' مشہور مسجد ہے۔

مزار شہید زندہ کا مقبرہ دیکھنے کے لئے گئے جو شہر کے ایک طرف میں واقع ہے۔ ہمارے ساتھ رہبر مسماۃ تسلیمہ کے بیان کے مطابق یہ شہید زندہ قاسم بن عباس کا مزار ہے، جو یہاں فتوحات کے سلسلے میں آ کر ۸۷ء عیسوی میں شہید ہو گئے ہیں، پھر تیمور لنگ بادشاہ کے پوتے نے گیارہویں صدی عیسوی میں موجودہ مقبرہ ''مزار شریف'' اور اس کے اوپر گنبد تعمیر کرایا، قبر باہر سے کھڑکیوں کے ذریعہ نظر آتی ہے۔ ہمارے لئے کمرہ کھول دیا گیا تھا، ہم اندر جا کر زیارت کر آئے۔ مزار شریف کے قریب چھوٹی مسجد بھی ہے۔ یہ پوری آبادی بند اور دروازوں اور گنبدوں کے اندر واقع ہے۔ اس کے بالمقابل مغرب کی جانب بی بی خانم زوجۂ تیمور لنگ کی قبر ہے (جو ایک گنبد کے پیچھے واقع ہے) اور دوسرے بزرگان دین علماء کرام اور سمرقند کے امیروں کی قبریں بھی ہیں، باہر مقبرہ میں اکثر مالداروں کی قبریں لوہے کے پنجروں میں ہوتی ہیں اور بعض قبروں کے سرہانے کتبوں پر صاحب قبر کی رنگین تصویر بھی ہوتی ہے، جو یہاں کا رواج ہے۔ مزاروں کے قریب دو درسگاہیں بھی اب تک موجود ہیں، جن میں ایک چودہویں صدی عیسوی اور دوسری اٹھارہویں صدی عیسوی میں بن چکی ہیں اُن میں اب درس نہیں ہو رہا۔

سوئے منزل شوق :

سمرقند شہر سے جناب امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے اپنی سیاحت کی بس میں روانہ ہوگئے جو سمرقند شہر سے شمال کی طرف ضلع ارغد میں ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور شہر سے اس کی طرف اعلیٰ اور وسیع پکی سڑک جاتی ہے۔ چوک درخشاں سے ہوتے ہوئے قریہ دریا کے پل پر سے گزرے، پورا علاقہ آباد اور زرعی ہے۔ راستے میں دونوں طرف شہتوت کے درخت، سیب کے باغات ہر قسم کے انگور، الو بخارا، انار، چاول، تمباکو، روئی گندم، سفید اور کالی کشمش اور خوبانی وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے، سمرقند کی یہ مشہور چیزیں ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں کے خربوزے، تربوز، ناشپاتی اور اخروٹ بھی مشہور ہیں۔ ضلع ارغد میں داخلہ کے لئے عام سڑک سے دوطرفہ جدا ہوجاتی ہے، جس پر دروازے بنائے گئے ہیں اور اس سڑک پر دونوں طرف سرو کے درخت لگادیئے گئے ہیں، غالباً یہ سب کچھ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے گاؤں اور مزار شریف جانے کے لئے کیا گیا ہے۔

ہم قریۂ خواجہ اسماعیل بخاری کے نام سے ایک بڑے گاؤں میں داخل ہوئے، گاؤں کے اندر سے باغات میں امام بخاری کی جامع مسجد اور مدرسہ اور مزار شریف کے لئے مغرب کی جانب پکی سڑک جاتی ہے۔ گاؤں سے چند گز کے فاصلے پر باغات کے اندر جامع مسجد، مدرسہ اور مزار شریف واقع ہیں۔ مسجد اور مزار سے باہر کے احاطے میں بہت بڑا برآمدہ ہے اور چاردیواری، احاطہ میں داخلہ کے لئے بہت بڑا دروازہ ہے۔ یہاں پہنچنے پر میرے احساسات اور جذبات قابو سے باہر ہو رہے تھے اور وہ کیفیات جو مجھ پر طاری ہوگئی تھیں، وہ لکھنے میں نہیں آسکتیں۔ دروازے سے باہر کچھ علماء اور طلباء ہمیں دیکھ کر استقبال اور مصافحہ کے لئے جمع ہوگئے۔ ایک عالم سے میں نے پوچھا کہ آپ عربی بول سکتے ہیں؟ تو

اس نے اثبات میں جواب دیا اور میرے ساتھ روانہ ہو گئے، اس عالم کا نام سلیمان بن محمود تھا جو جامع مسجد کے نائب امام اور مدرسہ کے مدرس تھے۔ اصل خطیب شیخ عثمان بن تیمور خان اس وقت تاشقند گئے تھے۔

زیارت مرقد امام بخاریؒ :

میرا ارادہ تھا کہ پہلے جامع مسجد میں دو رکعت نفل بطورِ شکرانہ اور ایصال ثواب کی نیت سے پڑھ لوں اور پھر حضرت امام بخاریؒ کی زیارت کے لئے دوسرے احاطے میں داخل ہو جاؤں مگر شیخ سلیمان نے کہا کہ اب سوا بارہ بجے ہیں اور زوال کا وقت ہے تو میں مزار شریف کی طرف شمالی دروازہ احاطہ مزار میں داخل ہوا اور قبر مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا، حاضری دی، سلام کیا اور بہت رویا اور جملہ احباب سے اجتماعی دعا کرائی۔ حضرت امام بخاریؒ کی علمی تحقیق، عملی تقویٰ اور حضور پاک ﷺ کی احادیث مبارکہ اور دین حنیف کی عظیم خدمات اور اس راستے میں بہت بڑی تکالیف برداشت کرنے اور حدیث شریف سے ان کی عقیدت اور احترام اور محبت ولگاؤ کی بناء پر مجھے خود ان سے ازحد محبت اور عقیدت ہے اور میرے دل میں ان کا خصوصی طور پر بہت زیادہ احترام اور اکرام ہے۔ یہ نئی قبر مبارک سفید گنبد کے نیچے سفید سنگ مرمر کے بڑے بڑے پتھر سے بالترتیب تین منزلہ نما صورت میں بنائی گئی ہے۔ مزار شریف کے سرہانے آپ کا نسب، نام، تاریخ پیدائش ۱۳ شوال ۱۹۴ھ اور تاریخ وفات ہفتہ کی رات یکم شوال ۲۵۶ھ اور تاریخی قطعہ (یہ سب کچھ عربی میں) درج ہیں۔

تاریخی قطعہ :

کان البخاری علامة ومحدثا جمع الصحیح جامع میلاده صدق (۱۹۴ھ) مدة عمره: فیها حمد (۶۲ سال) و انقضی فی نور (۲۵۶ھ)۔

اور آپ کی تصانیف کا اجمالی تذکرہ ہے اور یہ کہ آپ بخارا میں درس دیتے رہے اور آخری عمر میں یہاں آ کر وفات پا گئے اور موجودہ نئی قبر اور تعمیر اداره شئون دينيه جمہوریہ قازقستان کی نگرانی میں ۱۳۹۴ھ کو آپ کی بارہ صد سالہ تقریبات پیدائش کی مناسبت سے کی گئی ہے۔ آپ کی قبر مبارک، مسجد اور مدرسے کا احاطہ بہت اعلیٰ، نیا اور شریعت مطہرہ کے مطابق ہے۔ یہ جگہ سکون، ہیبت اور جلال کا مظہر ہے، خلاف شرع کوئی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔ البتہ ہمارے ساتھ صحافی اور ٹی وی والے تھے، اس لئے وہ اپنی اطلاعات کے سلسلے میں مختلف تصاویر اُتارتے رہے۔ میری طبیعت پر کافی بوجھ رہا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اقدس کے ساتھ ہماری تصاویر کھینچی جائیں مگر وہ تاریخی یادگار کے طور پر مجبور کرتے رہے اور اس مقصد کے لئے ہمارے ساتھ گئے ہوئے تھے۔

و استغفر الله ، سبحان الله تعالى من جميع ما يخالف الشرع، و اتوب اليه انه هوا التواب الرحيم ۔ زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ہم نے پہلے مسجد میں نماز شکرانہ ادا کی اور پھر میں نے ساتھیوں کو نماز ظہر پڑھائی۔ یہاں کے علماء سب احناف ہی ہیں۔ دعا کے بعد جذباتی کیفیات کے ساتھ اور اس کی سعادت حاصل ہونے پر شکر ادا کرتے ہوئے سمرقند میں ایک بڑی جامع مسجد دیکھی جو طلا کاری کے نام سے مشہور ہے۔ جامع مسجد طلا کاری اور یہ دونوں مدرسے پرانے عہد اور اسلامی طرز تعمیر کے عجیب اور حسین شاہکار ہیں۔ مسجد اور شمال و جنوب کے مدرسوں کے درمیان بہت بڑا حوض اور احاطہ ہے اور بالمقابل بڑی تفریح گاہ اور دورویہ سڑک اور درخت ہیں۔ سیاح یہاں بہت آتے ہیں اور سیمنٹ کی بنی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مسجد کے مشرقی احاطہ میں دکانیں ہیں، یہاں صرف نماز جمعہ اور عیدین ہوتی ہیں اور آج کل نماز تراویح کے لئے بھی کھول دی گئی ہے۔ مسجد کی دوبارہ تزئین، رنگ و روغن اور سنہرے

پھولوں اور کلمات پر کام ہو رہا ہے، اس محلے کا نام محلہ ریگستانی اور چوک کو سمر قند سکوائر کہتے ہیں۔ پرانی مساجد میں اب تک صرف چار مساجد کھول دی گئی ہیں، اکثر مساجد اب تک بند پڑی ہیں۔ بادشاہ تیمور لنگ کا مزار دیکھا، جو ایک پرانی اور یادگار اسلامی عمارت میں واقع ہے۔ اصل قبر زمین دوز ہے۔ جہاں پر جانے کے لئے حکومت نے ہمارے لئے دروازہ کھول رکھا تھا۔ بادشاہ تیمور لنگ کی قبر کی ساتھ ان کے فرزندوں، اتالیق میر سعید بیگ، میران شاہ اور الغ بیگ شہید کی قبریں ہیں۔ یہ مقبرہ پہلے بالکل بند رہا۔ ۱۹۴۱ء سے کھول دیا گیا ہے۔ حکومت کی طرف سے ایک بہت بڑے اور خوبصورت ہوٹل میں ظہرانے کا انتظام تھا، جہاں پر باہر کے لوگ ٹھہرتے ہیں۔ بازار میں تفریح کے بعد واپس سوا پانچ بجے عصر کے وقت جہاز سے تاشقند روانہ ہوئے اور چھ بجے عصر کے بعد تاشقند کے ہوائی اڈہ پر اُتر گئے۔ تاشقند میں مرزا غالب کے نام ایک تنظیم نے وعدہ لیا ہوا تھا کہ افطاری اور مدرسہ مرزا غالب اور مسجد کی افتتاحی تقریب آپ سے کروانی ہے۔ چنانچہ وہ ہوائی اڈہ پر انتظار میں کھڑے تھے۔ خوشی کے اظہار کے طور پر اپنے ساتھ موسیقی کا مردانہ طائفہ لے آئے تھے، جو اپنے آلات طرب اور موسیقی سے ہمارا استقبال کر رہے تھے، یہ یہاں کا رسم و رواج ہے، ان کے ساتھ محلہ مرزا غالب گئے اور وہاں ان کی انجمن کی نگرانی میں ایک بڑی جامع مسجد اور اسلامی مدرسہ زیر تعمیر ہیں جو سعودی حکومت اور تابانی گروپ آف پاکستان کی طرف سے امداد پر تعمیر ہو رہی ہے۔ نماز مغرب میں نے پڑھائی اور نماز کے بعد کھانے کے ساتھ ساتھ تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا، کافی مسلمان جمع ہو گئے تھے اور پردہ میں خواتین بھی تھیں۔ اختتامی تقریر میں نے عربی میں کی اور دعا کروائی۔ فوری چندہ بھی کافی ساتھیوں نے پیش کیا، جس سے وہ بہت خوش ہوئے۔

پیر مورخہ ۱۶ / مارچ ۱۹۹۲ء کو صبح شہر میں کچھ تفریح کے بعد اور ازبکستان ہوٹل میں

ظہرانے کے بعد تاشقند کے ہوائی اڈہ پہنچ گئے اور کچھ تاخیر کے ساتھ تقریباً تین بج کر بیس منٹ پر جہاز سے وطن روانہ ہوئے اور پونے چھ بجے عصر کے وقت اسلام آباد کے ہوائی اڈہ پر اُتر گئے، سرکاری کاروائی کے اختتام پر اپنی کار سے تقریباً ساڑھے نو بجے رات کو چارسدہ پہنچے اور اس طرح یہ سفر خیر و عافیت کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ وللّٰہ الحمد علی ذلک۔

..................☆☆☆..................

مختصر جائزہ

سفر نامہ کے آخر میں مسلم ریاستوں کی مجموعی صورت حال پر چند معروضات پیش خدمت ہیں۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ وہاں پر حالات بتدریج بہتر ہو رہے ہیں، اور لوگ دین کی طرف رغبت کرنے لگے ہیں، لیکن ستر سالہ غلامی کے دوران اور روسی ظالمانہ اور مستبدانہ سامراج کے ماتحت رہنے کی بناء پر ان کا لباس اب تک وہی پرانا ہے۔ پردہ نہیں ہے کرنسی روبل ہے جو آج کل پاکستانی روپوں کے حساب سے چار روبل ایک پاکستانی روپیہ کے برابر ہے، ان بیچاروں کو روسی نظام نے پوری دنیا سے الگ تھلگ رکھا ہے، اور ان کا کسی دوسرے ملک کے کسی فرد سے بھی رابطہ قائم کرنے نہیں دیا گیا۔ ریڈیو، ٹی وی پر اپنے ملک سے باہر کا پروگرام نشر نہیں کیا گیا۔ ہر وقت ان کے کانوں میں اپنے غیر فطری نظام کے گن گائے جاتے ہیں اور ان کو باہر کی دنیا سے بالکل بے خبر رکھا جاتا ہے۔ شہروں میں اب بھی لینن اور دیگر شخصیات کے مجسمے سڑکوں اور چوراہوں پر نظر آتے ہیں، ایک مادر پدر آزاد برہنہ عورت کا مجسمہ تاشقند کے ایک چورائے میں ایک بلند جگہ پر نصب ہے جو لوگوں کو خالص حیوانیت اور غیر فطری آزادی کی طرف دعوت دیتا نظر آرہا ہے۔ یہ مجسمے تاشقند کے نئے حصے میں ہیں جس کی تعمیر روسی دور میں ہوئی ہے اور جس میں کوئی مسجد نہیں ہے۔ ازبکستان کے نمائندہ بیان کے مطابق اب اس حصہ میں ایک مسجد بن گئی ہے اور دوسری زیر تعمیر ہے۔ ہم نے خود نہیں دیکھی اور نہ یہاں اذان سنی۔

نئے حصہ پر وہ بلڈنگ بھی دیکھی جہاں پر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بارے میں ایوب خان مرحوم اور شاستری کے درمیان معاہدہ تاشقند ہوا تھا۔ نئے شہر کی سڑکیں کافی چوڑی ہیں اور ان پر پٹرول اور بجلی سے بسیں اور ٹرام چلتی ہیں، اور زمین دوز ریل بھی چلتی ہے۔ کرایہ سستا اور مواصلات زیادہ ہے بجلی اور گیس کے بہتات ہے۔ لوکل فون پاکستانی حساب سے

۵ پیسے فی کال ہے۔شہر میں سائیکل یا موٹر سائیکل، رکشہ، تانگہ، گھوڑا وغیرہ نہیں ہیں، شہر کی فضا صاف اور پُرسکون ہے۔لوگ مہذب اور قانون کے پابند ہیں۔پولیس والے بہت کم نظر آتے ہیں، وہ بھی ٹریفک پولیس ہوتی ہے۔اسلحہ نظر نہیں آتا، بسوں اور ٹراموں کے لئے سٹاپوں پر ٹکٹ کیبن ہوتے ہیں۔صفائی والی عام عورتیں ہوتی ہیں، کالج کے لڑکے، لڑکیاں بھی کالجوں اور کالج کے سڑکوں اور گلیوں میں خود جھاڑو دیتے نظر آتے ہیں۔

کتب خانوں میں دینی کتب اور مصاحف شریف نہیں ملتے۔اس لئے وہاں کے مسلمانوں کا مطالبہ ہوتا ہے کہ ہمارے لئے دینی کتب اور مصاحف بھیج دیں۔تبلیغ والوں کے لئے اچھا موقع ہے اور تبلیغ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔اس لئے میں تمام دینی اور مذہبی اداروں اور تبلیغی حضرات سے اپیل کرتا ہوں کہ وہاں جا کر اپنے دینی بھائیوں کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی امداد کریں اور وہاں کے بچوں کو یہاں اپنے مدارس میں داخلہ دلوائیں اور ان کی دینی تربیت کر کے اپنے ملک کی اصلاح اور تبلیغ کے لئے تیار کریں۔

(وماذلک علی اللہ بعزیز)

جامعہ احسن المدارس کا قیام

پشاور میں میرا ایک قریبی مخلص دوست حاجی محمد بشیر صاحب ہے۔ ایک دفعہ ایک دعوت میں مفتی غلام الرحمٰن صاحب کی موجودگی میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ شیخ صاحب! میں آپ سے ایک بات کرنے والا ہوں' لیکن آپ مانیں گے انکار نہیں کریں گے۔ میں نے کہا کہ بتا دے کونسی بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ خیر کی بات ہے لیکن آپ پہلے وعدہ کریں۔ میں نے مسکرا کر کہا' چلیں وعدہ ہے۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ میں نے ایک مدرسہ جھگڑا ضلع پشاور میں تعمیر کیا ہے جو کہ ستر مرلے اراضی پر مشتمل ہے اور میری خواہش ہے کہ یہ مدرسہ سٹامپ پیپر پر لکھ کر تمہارے حوالہ کروں جو تمہارے اہتمام میں رہے گا۔ میرا یا میرے علاوہ کسی کا بھی اس میں عمل دخل نہیں ہوگا۔ میں نے تو پہلے انکار کیا اور ان سے کہا کہ میں مدرسہ کا اہتمام اور ذمہ داری پسند نہیں کرتا اور نہ میں نے ابھی تک کسی مدرسے کا اہتمام کیا ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے، لوگوں سے چندہ مانگنا اور پھر اس کو صحیح اور درست جگہ میں صرف کرنا بہت خطرے والا کام ہے اور یہ ایک امانت ہے۔

لیکن انہوں نے کہا کہ ان شاء اللہ' اللہ تعالیٰ خیر کا معاملہ فرمائے گا، میں بھی اپنی گنجائش کے مطابق تعاون کروں گا' لیکن میرے اوپر کوئی زبردستی نہیں ہوگی، یعنی مدرسہ کا انتظام اور چلانا میری ذمہ داری نہیں ہوگی۔ اب میں تردّد میں تھا ایک طرف حاجی بشیر صاحب کا مخلصانہ اصرار تھا کہ انہوں نے صرف صدقہ جاریہ اور اُخروی سوچ پر اس ادارے کی بنیاد رکھی تھی اور دوسری طرف پوری زندگی مدرسہ کے اہتمام سے بچ بچ کر گزاری تھی۔ بہر حال میں نے ان سے کہا کہ ایک دن جا کر یہ مدرسہ دیکھ لیں گے تو گزشتہ سال رجب

المرجب ۱۴۲۷ھ میں اپنے ساتھ اپنے عزیزان مولانا فخر الحسن صاحب اور مولانا عابد الرحمٰن صاحب بھی لے آیا اور اس مدرسے کا معائنہ کیا۔ ماشاء اللہ بہت اچھا محلِ وقوع ہے، ہر طرف سرسبزی اور شادابی ہے لیکن بعض ضروری چیزوں کی کمی محسوس ہو رہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے دوست احباب کی دعاؤں سے جامعہ احسن المدارس کے نام سے اس میں کام شروع کیا۔

مدرسہ کا پورا رقبہ میرے نام کرنا :

حاجی بشیر صاحب جو مخلص اور دین سے محبت کرنے والا بندہ ہے، نے یہ پورا رقبہ سٹامپ پیپر پر لکھ کر میرے نام کر دیا اور کہا کہ اب میرا اس میں کوئی عمل دخل نہیں اور اپنی وسعت کے مطابق مدد کروں گا، البتہ تمام تر ذمہ داری تمہاری ہوگی۔

اب رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور شوال المکرّم میں دینی مدارس میں اسباق کی ابتدا ہوتی ہے اور ہمارے ساتھ معتمد اساتذہ بھی موجود نہیں تھے۔ اس لئے کہ یہ کام تو ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ اس طرح کی بھاری ذمہ داری ہمارے اوپر آجائے گی۔

مدرسہ میں کام شروع کرنا :

مدرسہ کی موجودہ حالت شروعِ اسباق کے لئے سازگار بھی نہیں تھی کیونکہ اس سے پہلے چند سال تک یہ عمارت ویسے ویران پڑی تھی، دوست احباب سے مدرسہ کے نام سے چندہ مانگنا بھی مناسب معلوم نہیں ہو رہا تھا، کیونکہ مدرسہ کے ساتھ اس وقت تعاون کیا جاتا ہے جبکہ اس میں طلباء کی کچھ نہ کچھ تعداد موجود ہو اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ مدرسہ میں طلباء کی اتنی تعداد موجود ہے، تو پہلے اپنی طرف سے کچھ ضروری کام کیے اور بعض بے تکلف قسم کے دوستوں سے بھی کہا، انہوں نے بھی دل کھول کر تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد ان کی

عمروں اور مالوں میں برکت عطا فرمائیں۔ اس سے ہمیں اتنا حوصلہ ملا کہ ان شاء اللہ امسال پڑھائی شروع کریں گے۔

اساتذہ کا چناؤ :

لیکن ان تمام مسائل سے بڑھ کر یہ مسئلہ تھا کہ اس مدرسہ کے لئے علماء کرام کی ایک جماعت ہو، جن کا اوّلین مقصد درس و تدریس اور اشاعتِ دین ہو، مدارس کا عام رواج تو یہ ہے کہ رجب المرجب یا اس سے بھی پہلے مدرسین کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ رمضان المبارک کا وسط تھا، میرے دونوں چھوٹے بیٹے مولانا عابدالرحمٰن صاحب اور مولانا فخرالحسن صاحب بھی اس فکر میں میرے ساتھ برابر کے شریک تھے اور دونوں امداد العلوم پشاور میں میرے ساتھ کامیابی کے ساتھ تدریس بھی کرتے تھے، مولانا عابدالرحمٰن صاحب موقوف علیہ تک اور مولانا فخرالحسن صاحب درجہ رابعہ' خامسہ تک کی کتابیں پڑھاتے تھے اور ہمارے احسن المدارس جھگڑا پشاور کا یہ عالم تھا کہ ہمارا زیادہ سے زیادہ درجہ ثالثہ تک اسباق شروع کرنے کا ارادہ تھا، تو اگلے درجات سے نچلے درجات میں تدریس کے لئے آمادہ ہونا فطرتاً مشکل ہوتا ہے' لیکن اللہ کا نام لے کر ان دونوں اور ان کے ساتھ میرے بڑے بیٹے مولانا فیض الحسن صاحب کو اس کام پر راضی کیا کہ اب جبکہ یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے تو آپ خود اور اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو ساتھ لے کر یہاں خدمت شروع کریں۔ بس اسی طرح انہوں نے اپنے ساتھ بعض ساتھیوں' شاگردوں کو ملا کر الحمدللہ قابل' مخلص علماء کی ایک جماعت مہیا ہوگئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام سے جامعہ احسن المدارس میں کام شروع کیا۔

جامعہ کا پہلا سال اور طلباء کی تعداد :

پہلے سال ہمارا خیال یہ تھا کہ شعبۂ حفظ اور درجہ متوسطہ سے لے کر درجہ ثالثہ تک

اسباق ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے درجہ رابعہ، خامسہ تک طلباء نے رابطہ کیا، تاہم (الحمد للہ حضرت شیخ صاحب شہید رحمہ اللہ کی آرزو اور تمنا کے مطابق اس سال درجہ خامسہ تک درجات ہیں۔ (بندہ عابد الرحمٰن ابن الشیخ شہیدؒ)) اپنی وسعت کے مطابق درجہ رابعہ تک فیصلہ ہوا۔ اور آئندہ سال ان شاء اللہ درجہ خامسہ پڑھانے کا ارادہ ہے۔ مذکورہ بالا درجات میں الحمد للہ سو سے زائد طلباء نے داخلہ لیا اور یوں مدرسہ میں خوب رونق پیدا ہوگئی۔ اسی طرح پہلی افتتاحی تقریب میں حاجی بشیر صاحب سمیت تمام دوست احباب کو دعوت دی اور بحسن و خوبی اس مدرسہ کا آغاز ہوا۔

اس کے بعد سے اب میری تمام تر سوچ و فکر اور ہر لمحہ اس مدرسہ کے لئے صَرف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو اس کے اساتذۂ کرام اور طلباءِ کرام ہر میدان میں کامیاب کریں اور اس مدرسہ کے اساتذۂ کرام و طلباءِ کرام سادگی کے باوجود اخلاق و اعمال، سیرت و کردار اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اکابر کی یاد تازہ کریں۔

دار الاقامہ اور انتظامی دفاتر کی ضرورت :

ہمارے اس ادارے میں چونکہ تمام آبادی عارضی اور بہت کم ہے اور اب طلباء کی رہائش کے لئے ناکافی ہے، لہٰذا طلباء کے لئے ایک ایسے دار الاقامہ (ہاسٹل) کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے جس میں طلباء یکسوئی اور مناسب سہولت کے ساتھ تحصیل علم میں مشغول ہوں۔ اسی طرح ادارہ میں مختلف اُمور کے لئے الگ سے دفاتر ہوں، مہمانوں کے لئے الگ مہمان خانہ ہو، تاکہ ادارہ کی زیارت کے لئے آنے والے مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

تعلیمی سوچ :

میرا خیال ہے کہ آئندہ چند سالوں میں دورۂ حدیث تک کے اسباق کا افتتاح

بھی ہو جائے اور اس کے بعد درجہ تخصص فی الفقہ کا بھی انعقاد ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ شعبہ نشر و اشاعت و تصنیف بھی ہو، تا کہ امتِ مسلمہ کی صحیح رہنمائی کی جا سکے۔

سب سے اہم کام :

ان تمام کاموں میں سے اہم کام جامعہ میں ایک بڑی جامع مسجد تعمیر کرنا ہے' کیونکہ ہمارے اس ادارے میں مسجد نہیں بلکہ عارضی طور پر اس کے لئے ایک بڑے کمرے کا تعین کیا گیا ہے، جس میں طلباء نماز ادا کرتے ہیں' لیکن ابھی سے وہ کمرہ کم پڑ گیا۔ اس لئے اس مقصد کے لئے ہم نے بڑی کوشش کی تا کہ جامعہ کے ساتھ متصل ایسی زمین ملے جس میں ہم ایک بڑی مسجد تعمیر کر لیں جو کہ نہ صرف جامعہ' طلباء کی تمام ضروریات پوری کرے بلکہ راستہ چلنے والوں اور خصوصی طور سے پورے علاقہ کے عوام کے لئے مرجع و ماویٰ ہو، جس میں عوام کو جمعہ اور اس کے علاوہ مختلف مواقع پر مفید بیانات و مواعظ کا ایسا انتظام ہو کہ ان کے مسائل بحسن و خوبی حل ہوں۔

مسجد کے لئے زمین :

اللہ جل شانہٗ کا احسان ہے کہ مدرسہ کے متصل چمکنی کے ایک با اثر خاندان ''شیخان'' کی جائیداد ہے جس میں جناب حاجی اکبر صاحب نے مدرسہ کی دیوار کے متصل اپنی طرف سے چوبیس مرلہ زمین مسجد کے لئے وقف کر دی، اللہ تعالیٰ موصوف کو دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ عطا فرمائیں۔ (آمین) لیکن یہ جگہ راستہ سے ہٹ کر ہے اور یہاں ہمارے ہاں موجودہ صورتِ حال میں مسجد کے لئے سڑک کے کنارہ پر جگہ مناسب ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ جگہ مستقبل کی ضروریات کے لئے ناکافی ہے۔ تو میرا خیال یہ ہے کہ اس مسجد والی زمین اور سڑک کے درمیان حاجی اکبر صاحب کے بھتیجوں کی زمین ہے' اگر

یہ زمین بھی اس کے ساتھ مل جائے تو یہ مسجد ایک مناسب رقبہ پر مشتمل ہوگی۔

اس سلسلہ میں ہم کئی مرتبہ ان حضرات سے ملے ہیں تا کہ یہ زمین مسجد کے لئے بیچ دیں اور ہم مسجد پر جلد از جلد کام شروع کریں، اللہ جل شانہٗ سے دعا ہے کہ ان کے مسائل اپنی بارگاہ سے حل فرمائیں اور ان کے دلوں میں مسجد کے لئے زمین دینے کا داعیہ پیدا ہو اور میری زندگی ہی میں میری یہ تمنا پوری ہو جائے۔ یہ ادارہ بہت شاندار محل وقوع کا حامل ہے۔ مجھے بہت پسند ہے۔ امداد العلوم پشاور صدر میں بخاری کے گھنٹہ لینے کے بعد جب بھی چاہتا ہوں تو احسن المدارس جھگڑا پشاور کا رُخ کرتا ہوں جہاں مجھے دلی سکون ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس ادارہ کو ظاہری و باطنی حسن عطا فرمائیں اور تا قیامت اس کو قائم و دائم رکھے۔ (آمین)

دوست احباب سے درخواست :

مجھے تو چندہ کا طریقہ نہیں آتا اور نہ میرے بیٹوں نے کبھی یہ کام کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ قوی اُمید ہے کہ وہ اس مدرسہ کے لئے غیب سے اسباب مہیا فرمائیں گے۔ اور اس کے ظاہری و باطنی ترقی کے لئے راستے کھولیں گے اور لوگوں کی عقیدت و محبت اس ادارہ کے ساتھ پیدا فرمائیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

البتہ اپنے دوست احباب اور متعلقین سے درخواست ہے کہ اس ادارہ کی ترقی کی فکر کریں اور اپنے دوستوں اور مخیر حضرات کو اس کی ترغیب دیں، اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو میرے لئے حاجی صاحب کے لئے' میرے اولاد کے لئے صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ عقبیٰ بنا دیں اور ہر قسم کے مالی اور اخلاقی تعاون کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیوی اور اُخروی خوشیاں نصیب فرمائیں۔ (آمین)

سُراغِ زندگی

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

معلومات کا ذخیرہ، تجربوں کی تجوریاں، مطالعہ کی وسعتیں، مشاہدات کے خزانے، نظریات کی اُمنگیں، تصورات کی سانچے، خیالات وعزائم کی پختگیاں، مربیوں کا حلقہ، محسنوں کی جماعت، کتابوں کی صحبتیں، منتخب حضرات جن عالم، دانشور، سیاست دان، مدبر، مصنف، معلّم، تاریخ ساز اور تاریخ دان ... الغرض سبھی قسم کے لوگوں کا ساتھ رہے گا۔

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد ضلع نوشہرہ

سوانح شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالحق رح

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

<☆☆☆>

☆ عصر حاضر کے جلیل القدر عالم ☆ محدثِ کبیر ☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے حالاتِ زندگی، علمی وعملی کمالات، نمایاں صفات، اندازِ تعلیم وتربیت، دینی واصلاحی ☆ قومی وملی اور ملکی خدمات کا دلآویز اور ایمان افروز تذکرہ

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد ضلع نوشہرہ

توضیح السنن

شرح

آثار السنن للامام النیموی رح

(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خصائل اور شمائل نبوی ﷺ

پر

مولانا عبدالقیوم حقانی

کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں

شرح شمائل ترمذی (تین جلد مکمل)
صفحات: ۱۲۰۸ ...... قیمت: ۸۰۰ روپے

جمالِ محمد ﷺ کا دلربا منظر
صفحات: ۲۰۶ ...... قیمت: ۱۲۰ روپے

روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں
صفحات: ۱۵۶ ...... قیمت: ۱۲۰ روپے

ماہتابِ نبوت ﷺ کی ضوافشانیاں
صفحات: ۲۱۰ ...... قیمت: ۱۲۰ روپے

آفتابِ نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں
صفحات: ۲۰۲ ...... قیمت: ۱۲۰ روپے

محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا ادائیں
صفحات: ۱۹۷ ...... قیمت: ۱۲۰ روپے

محبوبِ خدا ﷺ کی عبادت و اعتدال
صفحات: ۱۸۷ ...... قیمت: ۱۲۰ روپے

خصائلِ نبوی ﷺ کا دلآویز منظر
صفحات: ۱۲۶ ...... قیمت: ۱۲۰ روپے

شمائلِ نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع
صفحات: ۱۵۳ ...... قیمت: ۱۲۰ روپے

ماہنامہ القاسم کی
گیارہویں خصوصی اشاعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکاتیب الکریم

مولانا عبدالقیوم حقانی

اکابر علماءِ دیوبند کے قافلۂ علم وعزیمت کے معتمد ورفیقِ خاص
شیخ التفسیر حضرت مولانا **قاضی عبدالکریم** صاحب کلاچوی فاضلِ دیوبند
کے مبارک ہاتھوں سے مولانا عبدالقیوم حقانی کے نام لکھے ہوئے
علمی، ادبی، تاریخی اور اصلاحی مکاتیب

خصوصی اشاعتوں میں پہلی مرتبہ کسی زندہ علمی شخصیت کا مکاتیب نمبر

ماہنامہ القاسم، جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی کی علمی، ادبی پیشکش

ترتیب : حافظ محمد قاسم

شیخ التفسیر، محدث کبیر، محقق عصر، استاذ العلماء، مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا **محمد زرولی خان** دامت برکاتہم

کے جامعہ ابوہریرہ میں عالمانہ بیانات، القاسم میں چھپنے والے علمی و ادبی تحریرات، الاحسن میں شائع ہونے والے حقانی کتب پر وقیع، شاندار اور محققانہ نگارشات اور مولانا عبدالقیوم حقانی کے نام فاضلانہ مکتوبات کا حسین مرقع۔ عنقریب منظر عام پر آرہا ہے۔

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

Mob: 0333-9102770

دفاعِ امام ابوحنیفہؒ

تصنیف

مولانا عبدالقیوم حقانی

جس میں امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی سیرت وسوانح، علمی وتحقیقی کارنامے، تدوینِ فقہ، قانونی کونسل کی سرگرمیاں، دلچسپ مناظرے، حُجیّتِ اجماع وقیاس پر اعتراضات کے جوابات، حیرت انگیز واقعات، نظریۂ انقلاب وسیاست، فقہِ حنفی کی قانونی حیثیت وجامعیت، تقلید واجتہاد کے علاوہ قدیم وجدید اہم موضوعات پر سیر حاصل تبصرے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ' برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون وفیکس : 0923-230237-630094